تذکرہ

الحاج حافظ محمد اقبال گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ

علماء کرام واکابرین ملت کی تحریروں کا تاریخی ودستاویزی مجموعہ

مُرتّب

محمد سعد خاں ندوی

امام وخطیب مسجد رئیس باغ، تلک نگر، کانپور

ناشر

انیس ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، کانپور

تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبال گونڈوی

مرتب محمد سعد خاں ندوی

مرتب کے قلم سے

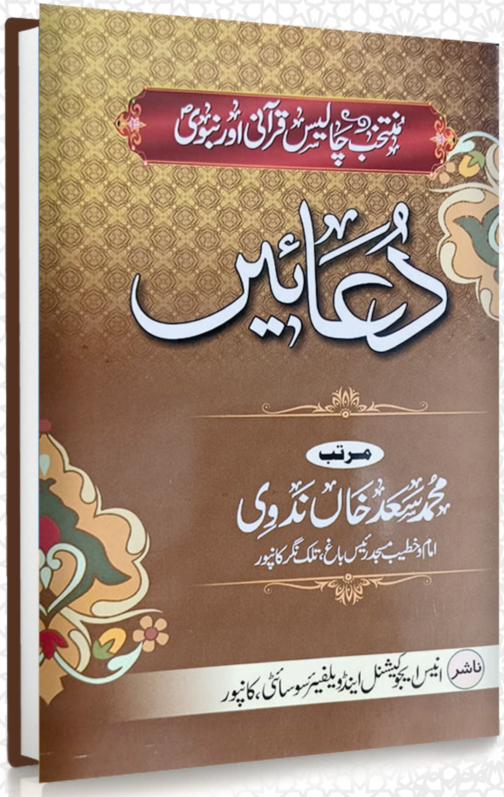

Published by
ANEES EDUCATIONAL & WELFARE SOCIETY
38/15, Allenganj Colony, Kanpur
Mob. : 9651209948, 9936705786

تذکرہ

الحاج حافظ محمد اقبال گونڈویؒ

مشرقی اتر پردیش کی ایک عظیم المرتبت شخصیت، خادم القرآن، عارف باللہ الحاج حافظ محمد اقبال گونڈویؒ بانی وسابق صدر شعبہ تحفیظ القرآن دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و مہتمم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ، خلیفہ اجل حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی حیات کے تابندہ نقوش اور دینی خدمات کے چند نمایاں پہلو، علماء کرام واکابر دین وملت کی تحریروں کا تاریخی ودستاویزی مجموعہ

مرتب

محمد سعد خاں ندوی

امام وخطیب مسجد رئیس باغ تلک نگر کانپور

انیس ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی کانپور

جملہ حقوق بہ حق ناشر محفوظ

(دوسرا ایڈیشن اضافہ شدہ)

نام کتاب	:	تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبال گونڈویؒ
بار دوم	:	ذی قعدہ ۱۴۴۵ھ / اگست ۲۰۲۴ء
مرتب	:	مولانا محمد سعد خاں ندوی
کمپوزنگ	:	(مولانا) عبدالباقی قاسمی، 9721648175
صفحات	:	218
تعداد اشاعت	:	1100
قیمت	:	200/-

ناشر

انیس ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی کانپور

موبائل نمبر: 9936705786,9651209948

کلمات مفکر اسلام

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ فرقانیہ گونڈہ ان دینی مدارس میں سے ہے جن کی بنیاد اخلاص وتقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ اس مدرسہ کے بانی قاری عبدالوہاب صاحب مرحوم بڑے مخلص اور باخدا لوگوں میں تھے، انہوں نے قرآن مجید کی خدمت اور اشاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین اور قرب الٰہی کا ذریعہ بنایا تھا۔

اس مدرسہ کے فارغین اور مدرسین میں سے حافظ محمد اقبال صاحب خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے اس مدرسہ میں بھی بڑا کام لیا ہے۔ اس کے بعد کارکنان ندوۃ العلماء کی درخواست پر مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے حکم وایماء سے وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آگئے اور دارالعلوم کے شعبۂ حفظ کی بنیاد انہیں کے ہاتھوں سے پڑی، اور اس نے اس قدر جلد ترقی کی اور کامیابی حاصل کر لی کہ اس کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا اور اہل نظر وتجربہ نے اس کی کامیابی کا اعتراف کیا۔ مدرسہ

فرقانیہ کے حالات کا جس کا ان پر سب سے زیادہ حق تھا، طے ہوا کہ وہ اس مدرسہ کو اپنی توجہ کا مرکز بنائیں اور وہاں مستقل قیام کریں۔ چنانچہ ہم لوگوں کی اجازت سے وہاں منتقل ہو گئے، الحمد للہ کہ انہوں نے اس مدرسہ کو سنبھال لیا اور اس کو جلد ترقی کے راستے پر ڈال دیا۔ میں نے گزشتہ مئی ۱۹۷۷ء میں اپنے چند رفقاء کے ساتھ جن میں مولانا معین اللہ صاحب ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس مدرسہ میں حاضری دی اس کی کارکردگی دیکھی اور اس کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی۔ پہلے اس مدرسہ کے سرپرست حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی تھے اب انہوں نے اپنے ضعف کی وجہ سے مولانا حافظ سید صدیق احمد صاحب باندوی کو اس کا سرپرست مقرر کیا ہے۔ ہم لوگوں کو اس مدرسہ سے خصوصی دلچسپی اور تعلق ہے۔ مدرسہ ۱۹۳۴ء سے قائم ہے۔

ابوالحسن علی

(ناظم)

ندوۃ العلماء لکھنؤ

• • •

عکس تحریر

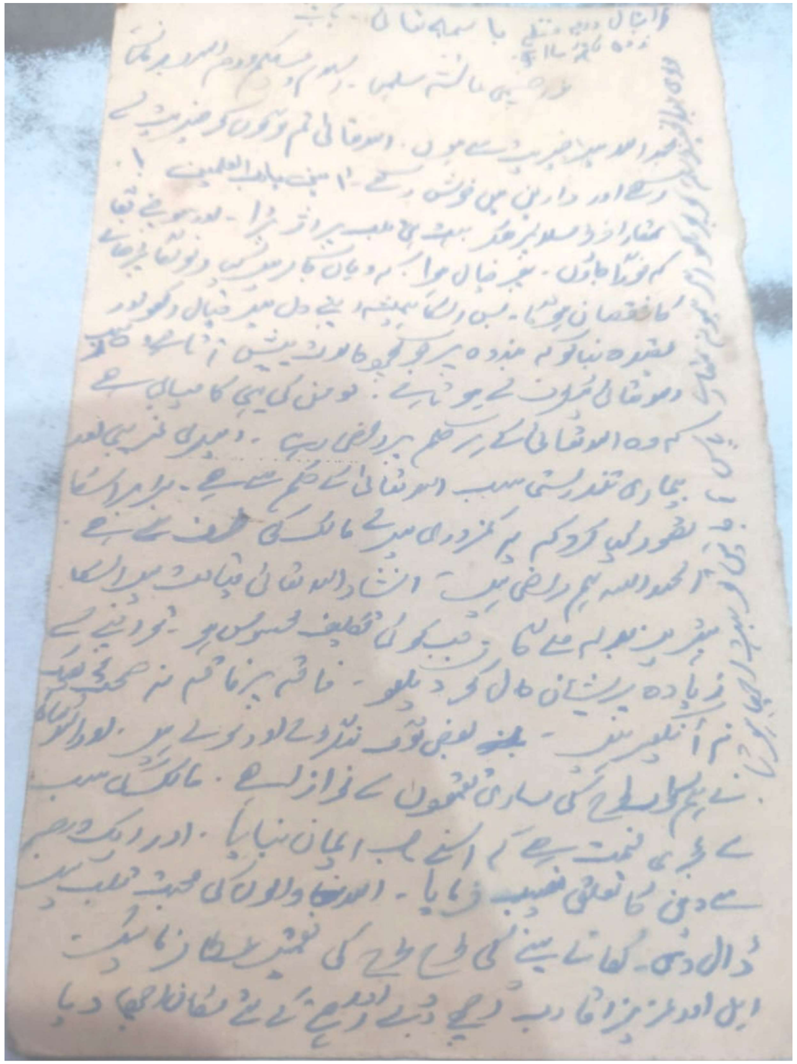

انتساب

اپنے والدین ماجدین کے نام

جن کی آغوش شفقت وتربیت نے

یہ سعادت مقرر فرمائی

نیز مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء کے نام

جس کے زیر سایہ زبان وقلم سے

کچھ تعلق نصیب ہوا

فہرست

۱	مقدمہ	حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	10
۲	پیش لفظ	حضرت مولانا نور عالم خلیل امینیؒ	13
۳	پیش لفظ (طبع دوم)	حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی	16
۴	عرض مرتب	(مولانا) محمد سعد خاں ندوی	19
۵	عرض مرتب (طبع دوم)	(مولانا) محمد سعد خاں ندوی	21
۶	مختصر تعارف حضرت حافظ صاحبؒ	مرتب	25
۷	حافظ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ	28
۸	فضیلۃ الشیخ الحافظ محمد اقبالؒ	حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	31
۹	خدا کا ایک قدرے گمنام----	حضرت مولانا نور عالم خلیل امینیؒ	33
۱۰	حافظ صاحبؒ	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	41
۱۱	خادم القرآن	مفتی محمد سلمان منصور پوری	47
۱۲	اور آفتاب غروب ہوگیا	پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی	49
۱۳	آہ! حضرت حافظ صاحبؒ	مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی	56
۱۴	ایک قابل رشک زندگی	مولانا محمد عظیم خاں ندوی	69
۱۵	یادرفتگاں	مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی	74
۱۶	وفات حسرت آیات	مولانا محمد معظم قاسمی، ممبئی	77
۱۷	ایک حکیم مدبر دردمند	ڈاکٹر محمد سلمان خاں ندوی	79
۱۸	چند تاثرات	مولانا مفتی محمد ابراہیم قاسمی	83
۱۹	آسماں تیری لحد پر----	مولانا مفتی عبدالرحیم قاسمی	93
۲۰	ایک مرد درویش کی----	مولانام مفتی اسعد الدین قاسمیؒ	98
۲۱	یادوں کی کسک	(مولانا) محمد سعد خاں ندوی	103

۲۲	نذر اقبال (منظوم)	محمد شفقت علی ندوی کاوش شوکتی	109

چند اور مضامین جو اس مقام کے مناسب ہیں

۲۳	ماں باپ سے زیادہ شفیق	صوفی رحمت اللہ صاحبؒ	112
۲۴	ایک مثالی استاذ	حفیظ نعمانیؒ	115
۲۵	شہنشاہ حفاظ حضرت حافظ صاحبؒ	مولانا عبدالرب صاحب قاسمیؒ	117
۲۶	فضیلۃ الحاج الحافظ محمد اقبالؒ	حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	119
۲۷	آخری دیدار	(مولانا) محمد سعد خاں ندوی	121

گلہائے تازہ

اس ایڈیشن کیلئے لکھے گئے مضامین وتبصرے

۲۸	حضرت حافظ محمد اقبال تعلیم وتربیت کے آئینہ میں	مولانا عبدالحفیظ قاسمی گونڈہ	124
۲۹	”تذکرہ اقبال“ نانا جان پر بہترین کتاب	مولانا عبداللطیف گونڈہ	129
۳۰	ہمارے نانا جانؒ	مولانا محمد زبیر خاں گونڈہ	130
۳۱	نانا جان کی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں	مولانا عبدالباری ندوی گونڈہ	138
۳۲	یادگار سلف حضرت الحاج حافظ محمد اقبالؒ	مولانا عبدالسلام صاحب فتح پوری	141
۳۳	خدمت دین کے بہت سے شعبہ میں ان کی فکرمندی	مولانا بشیر احمد بھانپور گونڈہ	144
۳۴	حضرت حافظ صاحبؒ سے پہلی اور آخری ملاقات	مفتی رحمت اللہ ندوی	146
۳۵	تذکرہ حافظ محمد اقبال صاحبؒ	محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی	151
۳۶	حضرت حافظ صاحبؒ کا دور اہتمام ترقی کا عہد آفریں	مولانا محمد فضیل قاسمی بلرام پوری	154
۳۷	تذکرہ حافظ محمد اقبال ایک دستاویزی سند	حفیظ بن عزیز، کانپور	170
۳۸	تذکرہ اقبال اچھی کتاب ہے	حافظ محمد حسن خاں، بہرائچ	173
۳۹	ایک عظیم المرتبت شخصیت	قاری محمد صادق خاں، ممبئی	174

۴۰	خادم قرآن حافظ محمد اقبالؒ	مولانا عبدالجلیل خاں قاسمی، مرادآباد	176
۴۱	حیات وخدمات پر مشتمل تذکرہ	مولانا محمد عرفان خاں قاسمی، دیوبند	179
۴۲	آہ! پیکر اخلاص نہ رہا	مولانا محمد انیس خاں قاسمی، کانپور	181
۴۳	محبوب العلماء والمشائخ	مولانا محمد یونس خاں قاسمی، گونڈہ	183
۴۴	اس کتاب کو اللہ نافع بنائے	حافظ محمد شمیم خاں، ممبئی	185
۴۵	لائق مطالعہ کتاب	مولانا محمد ذاکر خاں قاسمی	186
۴۶	تبصرہ بر ”تذکرہ اقبالؒ“	مولانا مبین احمد اعظمی، ندوی	188
۴۷	گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل	مولانا محمد نجم الدین ندوی	189
۴۸	تذکرہ اقبال استاد اور مربی کا کردار	مولانا عبداللہ ندوی، کانپوری	195

خبر وفات کی صدائے بازگشت

(اسلامی جرائد ورسائل کی خبریں)

۴۹	حافظ محمد اقبال صاحبؒ کی رحلت	ماہنامہ نور العلوم، بہرائچ	199
۵۰	مشہور علمی، دینی، اصلاحی وروحانی شخصیت کا انتقال	تعمیر حیات، لکھنؤ	200
۵۱	ندوہ میں شعبۂ حفظ کی بنیاد رکھنے والے حافظ محمد اقبال انتقال کر گئے	روزنامہ انقلاب، ممبئی	201

عکس تحریر مکتوبات

۵۳	ایک اہم تاثراتی خط	حضرت مولانا نور عالم خلیل امینیؒ	204
۵۴	اپنے خطوط کے آئینہ میں	حافظ صاحبؒ کا اپنی بیٹی عائشہ کے نام خطوط	209
۵۵	〃 〃 〃	حافظ صاحبؒ کا اپنے داماد عبدالقیوم کے نام خطوط	211
۵۶	حضرت حافظ صاحبؒ مشاہیر امت کی نظر میں		213
۵۷	حضرت حافظ صاحبؒ کے چند نمایاں شاگرد		261

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مقدمہ

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ

مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وچانسلر انٹیگرل یونیورسٹی لکھنؤ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى أما بعد:

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب درس میں حفظ قرآن کا الگ سے کوئی شعبہ قائم نہیں تھا، اوراس کے لئے اساتذہ دارالعلوم میں جو حضرات تجوید وقرأت کی خوبیوں سے آراستہ تھے ان کے ذریعہ طلبہ کے لئے تجوید وقرأت کی تعلیم کا انتظام موجود تھا، لیکن جب طلباء کی تعداد زیادہ ہوئی اور تحفیظ القرآن کا شعبہ قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا تو سب سے پہلے اس سلسلے میں حضرت مولانا معین اللہ صاحب ندویؒ نے ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس شعبہ کو کھولنے کی تجویز پیش کی، اور حضرت مولانا نے اس سے اتفاق فرمایا۔

لیکن سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس شعبے کی اہمیت کے لحاظ سے اس کی ذمہ داری ایسے جید حافظ قرآن کو سونپی جائے، جو نہ صرف اس شعبہ کی ذمہ داری قبول کریں، بلکہ اپنے تقوی وپاکیزگی میں وہ ایک مثالی شان کے مالک ہوں، اور قرآن کریم کی عظمت کے لحاظ سے ان کی قرآنی زندگی سے عملی طور پر طلبہ مستفید ہوسکیں، اس

سلسلہ میں حضرت مولانا علی میاں صاحب کے رفیق محترم حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ محمد اقبال صاحب کی طرف رہنمائی فرمائی، جو گونڈہ کے مدرسہ فرقانیہ میں شعبۂ حفظ کو انتہائی کامیابی اور احساس ذمہ داری کے ساتھ چلا رہے تھے، چنانچہ حافظ محمد اقبال صاحب سے گفتگو کے بعد ان کو شعبۂ حفظ کے بنیادی ذمہ دار کی حیثیت سے یہاں آنے کی راہ ہموار ہوئی، اور یہ شعبہ نہایت کامیاب ثابت ہوا، ان کے کئی اہم ترین شاگرد اسی شعبہ میں استاذ کی حیثیت سے مقرر ہوئے، اور پورے ملک میں اس شعبۂ حفظ کا شہرہ عام ہوا۔

حافظ صاحب نے بیس سال تک یہ عظیم خدمت انجام دی، اس دوران انہوں نے حفاظ وقراء کی ایک نسل تیار کردی، جنہوں نے ملک کی مشہور ومعروف درسگاہوں میں شعبۂ حفظ وقرأت کو صحیح نہج پر چلایا، جس کے نتائج بہتر سے بہتر ظاہر ہوئے، حافظ صاحب مرحوم کے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں دوبارہ واپسی کے بعد اس شعبہ کو ان کے قابل قدر شاگردوں نے جاری رکھا، اور بڑی حد تک ان کے معیار کو برقرار رکھنے کی کوشش کی، الحمد للہ آج بھی یہ شعبہ قابل اساتذہ کی سرپرستی اور نگرانی میں جاری ہے، اور اس کی بہت سی شاخیں ملحقہ مدارس میں موجود ہیں، جہاں اسی نہج پر حفظ وقرأت کی تعلیم ہوتی ہے، اور طلبائے علوم اسلامیہ اس سے مستفید ہوکر دارالعلوم ندوۃ العلماء کا رخ کرتے ہیں۔

حافظ صاحب رحمۃ اللہ کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے خوب برکت عطا فرمائی، اور وہ تاحیات قرآن کریم کی یہ خدمت انجام دیتے رہے، اور حفظ وقرأت کے مدارس اور اس کے اساتذہ کے لئے ایک حافظ باعمل، ایک متقی و پرہیزگار مربی اور خادم قرآن کا نمونہ چھوڑ کر رحلت کر گئے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں، اور ان کی مخلصانہ خدمات کے عوض میں جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام میں ان کو جگہ عطا

فرمائیں۔ **يأيتها النفس المطمئنة، ارجعي إلى ربك راضية مرضية، فادخلي في عبادي وادخلي جنتي.**

یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ عزیز گرامی مولانا محمد سعد خان ندوی نے از راہ تعلق الحاج حافظ محمد اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ تیار کیا ہے، اور ان کی زندگی کے حالات اور ان کے کارناموں پر مشتمل یہ کتاب مرتب کی ہے، اس میں بہت سے اہل تعلق اور اہل علم و دانش کے تأثرات اور ان کے بیش قیمت خیالات جمع کرکے قابل قدر خدمات انجام دی ہے، خاص طور پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء اور صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا مضمون اس کتاب کی زینت ہے، اور بہت سی ضروری معلومات پر مشتمل ہے، اس سے کتاب کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے، دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائیں اور مؤلف عزیز کو جزائے خیر سے نوازے اور ہم سب کے لئے اس کو نافع بنائے (آمین)

راقم الحروف
سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
مدیر البعث الاسلامی، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۲۹/جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
۳۰/اپریل ۲۰۱۴ء

پیش لفظ

حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب مدظلہ

استاذ ادب عربی ورئیس التحریر ''الداعی'' عربی دارالعلوم دیوبند

خدا کے جن چیدہ وبرگزیدہ نیک بندوں کو راقم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور تادیر اُن کی سعادت ریز صحبت سے اپنے مُقدّر نصیب کے مطابق فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، اُن نمایاں ہستیوں میں ایک ہستی سابق صدر شعبۂ حفظ دارالعلوم ندوۃ العلماء ''حافظ محمد اقبال گونڈویؒ'' (۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳-۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸) کی ہے حقیقت یہ ہے کہ اُن کی صالحیّت، خداترسی اور دین داری کی قسم کھائی جاسکتی تھی۔ وہ راقم کے دیدہ دیں داروں میں یہ امتیاز رکھتے تھے کہ ہمیشہ خندہ رو رہتے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اُنھیں دنیا کے سارے اِنسانوں کو دیکھ کے اور اُن سے مل کے بے پناہ خوشی ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ ایسا حسنِ ظن رکھنے والا اِس راقم نے شاید وباید ہی دیکھا ہوگا۔ دنیا سے بے رغبتی، آخرت کے لیے بے انتہا فکرمندی، دنیا اور اُس کی نعمتوں کی ناپایداری اور آخرت اور اُس کی آسائشوں کی ابدیّت پر ایسا یقین رکھنے والا کہ اُس کی تراوش ہر ملنے جلنے والے کو بھی محسوس ہونے لگے اِس راقم نے بہت کم دیکھا ہے۔

حافظ محمد اقبالؒ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کرتے تھے لیکن اُن کے اندازِ تخاطب ونصیحت گوئی میں کسی طرح کی ''آمریت'' و''حاکمیت'' کبھی محسوس نہ ہوتی تھی بل کہ پیار ومحبت کا ایسا شیریں رس اُس سے مُترَشّح ہوتا کہ مُخاطَب اُس سے تادیر لذّت اندوز رہتا۔ وہ باعمل مومن تھے اِس لیے اُن کے قول وفعل میں، ساحرانہ تاثیر تھی۔ سچ یہ ہے کہ خدا کے جن برگزیدہ بندوں کو دیکھ کے اُن کے ایسا بن جانے کی تمنا دل کی گہرائیوں میں چٹکی لیتی رہی، حافظ محمد اِقبالؒ اُن میں سے بالیقین

ایک تھے۔ اُن کے چہرے پر معصومیّت اور پورے وجود پر محبوبیّت کی ناقابلِ بیان کیفیت کی چادر تنی رہتی تھی اور دل گواہی دیتا تھا کہ اِس انسان کے سینے میں واقعی ایسا دل ہے جو کسی کے لیے کوئی کینہ، کوئی حسد، کوئی دشمنی نہیں رکھتا۔

انسان اگر واقعی نیک ہو تو وہ اپنی ساری رفتار وگفتار کے ساتھ کس درجہ لوگوں میں محبوب ہوتا ہے، حافظ محمد اقبالؒ جیتے جی اُس کی ایک زندہ مثال تھے۔ حافظ محمد اقبالؒ کو دیکھ کر ہمیشہ یہ یقین پختہ ہوتا تھا کہ یہ دنیا ایک مسافر کی وقتی جائے قیام ہے نہ کہ مقیم کی دائمی منزل۔ وہ جس طرح جسم وجثّے سے ہلکے پھلکے تھے، اُسی طرح سامانِ حیات کے اعتبار سے بھی ''کم سامان اَدھکُ آرام'' پر عامل اور اپنے عمل سے اُس کے داعی تھے۔ لباس وپوشاک کے بناؤ سنگار سے ناآشنائے محض تھے، البتہ ہمیشہ اُن کے بدن پر معمولی قیمت کا صاف ستھرا سفید لباس ہوتا اور سفید رومال اور سفید گول ٹوپی۔ اُن کی زبان ہمیشہ ذکر اللہ سے تر رہتی۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کبھی بھی وہ تسبیح دست انداز نہ کرتے، ہمہ وقت اُن کے ہونٹ زمزمہ سنج رہتے۔

اُن کے منحنی جسم اور خفیف سے وجود میں طلبۂ حفظ کے لیے ایسا رعب تھا کہ وہ صرف ایک اِشارے پر سبھوں کو جمع ومنتشر کر لیتے یا محوِ کار بنا دیتے۔ اُنھیں دیکھ کر یہ یقین تازہ ہوتا رہتا تھا کہ دنیا ناپائیدار ہے اور اُس سے دل لگانا محض بیکار ہے۔ وہ لوگوں کے صرف بہی خواہ تھے، بدخواہی سے بالکل ناآشنا۔ غیبت، بدگوئی، تنقید وتنقیص کا اُن کی مجلس میں کسی کو کبھی سابقہ نہ ہوا۔ اُن کا ہمہ گیر ظاہر اُن کے باطن کی شفّافیّت کا شاہدِ عدل تھا۔

نیک لوگوں کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد اُن سے فائدہ اُٹھانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اُن کے سیرت وکردار کا البم (Album) لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ لوگ اُس کو دیکھ دیکھ کر اپنے سیرت وکردار کا نقشہ درست

کر سکیں اور اپنی سیرت کو اُن کی سیرت کی صورت پر ڈھال سکیں۔ نیک لوگوں کی طرح نیک لوگوں کے تذکرے میں بھی بڑی تاثیر ہوتی ہے؛ کیوں کہ اُس کو پڑھتے وقت اُن کی ظاہری نہ سہی اُن کی باطنی صحبت قاری کو نصیب رہتی ہے اور خدا کی توفیق سے اُن کے ایسا بننے اور اُن کے جیسا کام کرنے کا طاقت ور داعیہ اُس کے دل میں پیدا ہوتا ہے، پھر دل کی دنیا بدل جاتی ہے، بھٹکا ہوا آہو سوے حرم چل پڑتا ہے اور بہ عجلت اپنی ناقہ کی لگام ''راہِ ترکستان'' سے ''راہِ کعبہ'' پر ڈال منزل مقصود یعنی ''منزل محبوب'' کو جا پہنچتا ہے۔

حافظ محمد اقبالؒ کی وفات کے بعد نامور اہلِ علم وصلاح وقلم نے اُن پر مضامین لکھے تھے، جن میں صرف آمد تھی آورد کا کہیں گزر نہ تھا کیوں کہ یہ مضامین محض دل کی آواز تھے اور قلبی محبت کے تقاضے سے سپردِ قلم کیے گئے تھے اِس لیے بہت پڑھے گئے اور بہت پسند کیے گئے لیکن یہ مختلف رسالوں میں منتشر تھے، جہاں تک خواہش مند قارئین کے لئے بھی رسائی دشوار گزار تھی اور اُنھیں پڑھنے، اُن سے فائدہ اُٹھانے اور حافظ محمد اقبالؒ جیسے نیک آدمی کی خوبیوں کو اپنانے کا عمل مشکل تھا۔ مولوی محمد سعد خاں ندوی بن مولانا محمد انیس خاں قاسمی، سابق متعلّم مدرسہ فرقانیہ، گونڈہ، یوپی، مقیم کانپور نے بہت اچھا کیا کہ اِن بکھرے ہوے مضامین کو جمع کرکے کتابی شکل دے کر اُن کو منظرِ عام پر لانے کا سعادت مندانہ کام کیا۔ اللہ پاک اُن کی اِس کوشش کو قبول فرمائے اور لوگوں کو اِس سے بیش از بیش فائدہ اٹھانے کی توفیق ارزانی کرے۔

نور عالم خلیل امینیؒ
رئیس التحریر ''الداعی'' عربی
واستاذ ادبِ عربی دار العلوم دیوبند

۱۱/ بجے دن، بہ روز دوشنبہ
۱۲/رجب ۱۴۳۵ھ، ۱۲/مئی ۲۰۱۴ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

(طبع دوم)

حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ
ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

الحاج حافظ محمد اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق گونڈہ کے ایک شریف ومشہور خاندان سے تھا۔ انہوں نے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں حفظ کی تعلیم مکمل کی اور اس کے بعد مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں بچوں کو ناظرۂ قرآن مجید پڑھانے لگے۔ حافظ صاحبؒ شروع ہی سے نیکی وصلاح کے حامل تھے۔ وہ سب سے پہلے حضرت شیخ الہند کے خلیفہ حضرت مولانا ضرغام الدین صاحبؒ سے بیعت ہوئے اور اس کے بعد انہوں نے اپنا اصلاحی تعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے قائم کیا۔ پھر انہیں مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے تعلق پیدا ہوا جو بڑھتا ہی گیا۔ انہوں نے کئی رمضان لکھنؤ کے مرکز تبلیغ میں مولانا منظور نعمانی صاحبؒ کے ساتھ ہی گزارے۔ حافظ صاحبؒ کی دین داری کی بنیاد پر بہت جلد ہی انہیں مولانا منظور صاحبؒ کا اعتماد حاصل ہوگیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ مولاناؒ کے خلیفہ ومجاز بھی ہوئے۔ وفات سے قبل مولانا منظور صاحبؒ نے جن لوگوں کے متعلق غسل کی وصیت کی تھی ان میں ایک نام

حافظ صاحبؒ کا بھی تھا۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے ندوۃ العلماء میں جب شعبۂ حفظ قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی تو مولانا منظور صاحبؒ نے اس شعبہ کی نگرانی کے لیے حافظ صاحبؒ ہی کا نام تجویز کیا، پھر انہیں گونڈہ سے بلایا گیا اور حفظ کا پورا نظام انہی کے سپرد کر دیا گیا۔ حافظ صاحب نے ندوہ کے شعبۂ حفظ کو پوری دل جمعی کے ساتھ ترقی دی، یہاں تک کہ اگر وہ کبھی تکیہ حضرت مولاناؒ سے ملنے بھی آتے تو زیادہ دیر اس لیے نہ رکتے کہ طلبہ کے اسباق کا نقصان ہوگا۔ حافظ صاحبؒ طلبہ کے لیے بہت شفیق تھے، ان کی ضرورتیں پوری کرنا اور وقت پر کام آنا ان کی خاص صفت تھی۔ ان کی اس ادا کی وجہ سے طلبہ ان سے بے تکلف ہو جاتے تھے۔ حافظ صاحبؒ نے ندوہ میں تقریباً بیس سال تدریسی فرائض انجام دیے اور ان کے بے شمار ممتاز شاگرد ہوئے۔ ان کے بعد ندوہ کا درجہ حفظ انہی کے شاگردوں نے سنبھالا اور اللہ کا فضل ہے کہ آج بھی حفظ کا نظام اسی منہج پر چل رہا ہے اور قرآن مجید کا فیض جاری ہے۔

حافظ صاحب مرحوم کی بڑی امتیازی صفت ان کی للّٰہیت، جہد مسلسل اور جفاکشی تھی۔ ان کی زندگی صلاح وتقویٰ اور نیکی وپرہیزگاری کا نمونہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہر وباطن کی ایسی یکسانیت عطا فرمائی تھی جو کم ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ حافظ صاحبؒ فرائض ونوافل کے ساتھ اوراد ووظائف کے بھی بڑے پابند تھے، انہوں نے ہمیشہ قیام اللیل کا فرائض ہی کی طرح اہتمام کیا اور ذکر سے اپنی زبان کو تر وتازہ رکھا۔ حافظ صاحب کو انتظامی امور میں بھی بڑی مہارت تھی۔ اسی کے ساتھ حسن اخلاق اور تواضع وانکساری میں بھی انہیں کمال حاصل تھا۔

حافظ صاحبؒ کا اصل امتیاز قرآن مجید سے ان کا تعلق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی پوری زندگی قرآن مجید کی تعلیم وتعلم ہی میں گذری اور اس سلسلہ میں انہیں

ایک لمحہ بھی قرآن مجید سے انقطاع پسند نہ تھا۔ اخیر عمر میں جب ان کی صحت بڑی حد تک متاثر ہو چکی تھی اور بیٹھ کر قرآن مجید سننا دشوار تھا، تو وہ آنکھیں بند کر کے اور ٹیک لگا کر یا بعض اوقات لیٹ کر ہی بچوں سے قرآن مجید سنتے رہتے تھے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ الحمد للہ وفات والے دن تک قرآن مجید کی تعلیم کا سلسلہ ان کے یہاں جاری رہا۔

مبارک باد کے مستحق ہیں مولوی محمد سعد ندوی سلمہ کہ انہوں نے حافظ صاحب مرحوم کی زندگی پر باکمال اہل قلم کے تاثرات کو یکجا کر دیا ہے۔ امید ہے کہ علم وعمل کے میدان میں اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔ میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کام کو قبول فرمائے، مفید بنائے اور صاحبِ کتاب کے درجات بلند فرمائے۔ آمین!

بلال عبدالحئی حسنی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں، رائے بریلی

• • •

عرض مرتب

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ”ان من اجلال اللہ اکرام ذیشیبة المسلم“ بزرگوں کا اکرام تعظیم خداوندی کا ایک حصہ ہے اوران کی وفات کے بعد ان کے مشن کو زندہ رکھنا بعد الوفات تعظیم وتکریم ہے، یہ کتاب ایک ایسی ہی بزرگ ترین شخصیت الحاج حافظ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ہے، جس کا وجود ملت اسلامیہ خصوصاً مشرقی یوپی کے لئے باعث فخر تھا، خدمت قرآن جس کا نصب العین تھا، اورخدمت قرآن کے اس شہ سوار نے اپنی پوری زندگی تبلیغ قرآن کے لئے وقف کردی تھی۔

حضرت حافظ صاحبؒ کی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت اتباع سنت اوربدعت کی ہرقسم بلکہ اس کا سایہ بھی آپ کے لئے ناقابل برداشت تھا، دوسری بڑی خصوصیت خداشناسی وخودشناسی تھی، اس کے علاوہ اللہ رب العزت نے آپ کے اندر اثر آفرینی کی غیر معمولی صلاحیت رکھی تھی، ہر ملنے جلنے والوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو آپ کے ”جلوہ جہانِ آرا“ سے متاثر نہ ہوا ہو۔

آپ کی وفات پرامت کے ہرطبقہ نے اپنا خراج عقیدت پیش کیا اور رسائل وجرائد میں آپ کے متعلق مضامین شائع ہوئے، یہ کتاب انہیں مضامین کا ایک مختصر مجموعہ ہے جس کو احقر نے پچھلے سال ۲۰۱۴ء (تعلیم کے ساتھ ساتھ) جمع کرنا شروع کیا تو حافظ صاحبؒ سے قلبی لگاؤ رکھنے والے بہت سے احباب ورفقاء، اوراساتذۂ کرام نے بھی پُرخلوص تعاون کیا جس کی وجہ سے ایک مختصر اور جامع

تذکرہ تیار ہوگیا البتہ اس میں احقر نے اپنی کم مائیگی کے باوجود چند مضامین کو مختصر کرکے مرتب کیا ہے۔

احقر کی یہ پہلی طالب علمانہ کوشش ہے جس کو ازراہ قلبی تعلق وشاگرد کے مرتب کیا ہے، قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو یا کوئی بات چھوٹ گئی ہوتو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔

میں بے حد ممنون ومشکور ہوں حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ العالی اور حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب مدظلہ العالی کا کہ میری درخواست پر باوجود عدیم الفرصتی کے بیش قیمتی مقدمہ اور پیش لفظ تحریر فرماکر حوصلہ افزائی فرمائی اور کتاب کی اہمیت میں اضافہ فرمایا، اس کے علاوہ ہم ان تمام احباب ورفقاء کا دل کی گہرائیوں سے شکرگزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کے لئے کسی بھی طرح کی اعانت فرمائی خاص طور پر حافظ محمد آفتاب عالم صاحب۔

میں اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ میری اس کاوش کو قبول فرماکر آخرت میں اجر عظیم عطا فرمائے اور لوگوں کے لئے نفع بخش بنائے۔”رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ“ آمین

محمد سعد خاں ندوی

۱۸/دسمبر ۲۰۱۴ء، ۱۸/رجب ۱۴۳۵ھ

• • •

عرض مرتب

(طبع دوم)

اس رب کریم کا کما حقہ شکریہ ادا نہیں کیا جاسکتا جس کی بے پناہ توفیق سے زمانہ طالب علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء (علیا اولیٰ 2014) میں یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوئی تھی، یہ اسی رب کریم کا انعام ہے کہ حقیقی اعتبار سے ایک طالب علمانہ کاوش کو قبولیت ملی اور خوب دعائیں بھی، اس کتاب کو نہ صرف عزت ملی بلکہ شوق وقدر دانی سے دیکھا گیا اور کتاب کی بڑی تعداد کب ختم ہوگئی پتہ ہی نہ چلا، مطالبہ باقی رہا اور آج کل، آج کل اور دوسری مشغولیات کی وجہ سے دوسرا ایڈیشن جو جلد آجانا چاہئے تھا وہ اب دس سال بعد شائع ہورہا ہے۔ ہاں اس درمیان دعاؤں کی ایک کتاب ضرور شائع ہوئی اور اب تک الحمدللہ تین ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

یہ بھی محض فضل تھا کہ اس کی رسم اجراء دارالعلوم کے پرشکوہ عباسیہ ہال میں سابق ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، مرشد الامت، جانشین مفکر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ اور فکر اسلامی کے نقیب، علم وادب کے پیکر سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء ورابطہ ادب اسلامی عالمی کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کے بدست تمام اساتذہ کرام اور طلباء علیا اولیٰ وثانیہ کی موجودگی، سالانہ الوداعی تقریب میں ہوا، **ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ**

مَنْ يَّشَاءُ.

کتاب کا یہ دوسرا ایڈیشن نئی کمپوزنگ اور جزوی تبدیلیوں کے ساتھ شائع ہورہا ہے جس میں دو مضامین جو اس وقت دستیاب نہیں ہوسکے تھے بعد میں ان کے متعلق معلوم ہوا، اول حضرت مولانا سید محمود حسنی ندویؒ کا اور دوسرا مولانا محمد معظم قاسمی صاحب کا خصوصی طور پر شامل کیا گیا ہے، اس کے علاوہ معروف صحافی اور حافظ صاحبؒ سے خصوصی تعلق رکھنے والے جناب حفیظ نعمانیؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے خاص وابستگان دامن میں سے صوفی رحمۃ اللہ بانی مدرسہ مظہر العلوم نوگیاں بہرائچ، حضرت مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی صاحب مدظلہ کا اصل عربی مضمون، سابق مہتمم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ حضرت مولانا عبدالرب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے مضامین بھی شامل ہیں جو کہ حضرت حافظ صاحبؒ کے ذکر خیر سے لبریز ہیں مزید حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اہم تاثراتی خط اور احقر کا آنکھوں دیکھا آخری دیدار کے علاوہ قدیم وجدید اور بھی بہت کچھ۔

اس دوسرے ایڈیشن کیلئے ''تذکرۂ اقبال'' مبصرین کی نظر میں عنوان کے تحت حافظ صاحبؒ کے اہل خانہ کی نظر میں، ہمارے اہل خانہ کی نظر میں، اہل علم وادب کی نظر میں اور یاران باصفا کی نظر میں، تبصرے جو کہ اچھے اور معلوماتی مضامین کی شکل میں آئے سب کو بہت اہمیت کے ساتھ شامل کیا گیا ہے کیونکہ یہ مخصوص لوگوں نے بھیجا ورنہ حافظ صاحبؒ کے اہل تعلق کی کمی نہیں ہے۔

اس ایڈیشن پر اگر کسی کی بار بار یاد آرہی ہے تو وہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہے پہلے ایڈیشن میں جب اول الذکر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مسودہ لیکر پہنچا اور گزارش

کی تھی کہ دعائیہ کلمات تحریر فرمادیں، مسودہ دیکھا اور دعاؤں سے نوازا، فرمایا تھا کہ ہمارا مضمون شامل کرلیا ہے، سب باتیں آچکی ہیں اور مہتمم صاحب نے بہترین مقدمہ لکھا ہے اس کو شائع کریں دوبارہ میں لکھ دوں گا، کسے پتہ تھا کہ آپ کی جگہ آپ کے معتمد خاص، موجودہ ناظم ندوۃ العلماء، ہمارے محبوب اور پسندیدہ حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ کچھ تحریر فرمائیں گے اور آپ نے بہترین پیش لفظ لکھ کر اس کمی کو پورا فرمایا، دوسرے حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب ہیں، آپ سے جو تعلق پہلے ایڈیشن سے ہوا وہ ربط و تعلق وقت گزرنے کے ساتھ اور مضبوط ہوتا گیا، کوئی ماہ ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں آپ کے احوال بذریعہ فون نہ ملیں، جبکہ آپ سے اس لمبے عرصہ میں بالمشافہ ملاقات کا موقع نصیب نہیں ہوا۔

اور اگر خوشی محسوس ہو رہی ہے تو حضرت حافظ صاحبؒ کے اہل خانہ کا کچھ لکھنا ہے کیونکہ پہلے ایڈیشن میں انتہائی کوششوں کے باوجود کچھ نہیں لکھا گیا تھا، بارگاہ خداوندی میں سراپا شکر وسپاس ہوں کہ محض اللہ کے فضل وتوفیق سے یہ موقع میسر ہوا، پہلے ایڈیشن میں بہت سی غلطیاں رہ گئی تھیں جس کی بہت سے احباب نے نشاندہی کی تھی اس کو حتی الامکان درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ بھی اکثر کمپوزنگ اور سیٹنگ کی غلطی تھی، اگر پھر بھی کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں۔ ایک ضروری بات یہ ہے کہ حضرت حافظ صاحبؒ کی تاریخ پیدائش کا تذکرہ متعین طور پر نہیں ملا جس کی وجہ سے تمام مضمون نگار حضرات نے بھی مختلف لکھا، البتہ تاریخ اور شواہد کی بنا پر اس وقت جو تحقیق آئی تھی اس کو ترجیح دی گئی۔

شکریہ کے مستحق ہیں ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ کہ دوسرے ایڈیشن کیلئے سب سے پہلی تحریر آپ ہی کی آئی اور ان تمام حضرات کا بھی ممنون ومشکور ہوں جنہوں نے میری درخواست کو لائق اعتنا سمجھا

اور وقت بے وقت بار بار یاددہانی پر پریشانی وخلجان میں مبتلا ہوئے بغیر لبیک کہتے ہوئے اپنے مضامین بھیجے خصوصاً مولانا فضیل صاحب قاسمی استاد مدرسہ فرقانیہ گونڈہ نے بہت قیمتی اور معلوماتی مضمون بھیجا ساتھ ہی کچھ نئی معلومات بھی فراہم کرائیں اور مولانا عبدالباری ندوی صاحب نے بھی اپنے نانا جان حضرت حافظؒ کے تعلق سے والدہ کو بھیجے گئے خطوط اور دوسری بہت سی چیزوں کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اور ان تمام حضرات متعلقین ومحبین کے بھی جنہوں نے کسی بھی طرح سے تعاون فرمایا۔

اللہ رب العزت ہم سب کو آخرت میں اجر عظیم عطا فرمائے اور اس کتاب کو لوگوں کیلئے نفع بخش بنائے۔ آمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

محمد سعد خاں ندوی

۲۹/ذی الحجہ ۱۴۴۵ھ

۶/جولائی ۲۰۲۴ء

• • •

مختصر تعارف حضرت حافظ صاحبؒ

خاندانی پس منظر: حافظ صاحبؒ کا جس خاندان سے تعلق تھا وہ اپنی شرافت ونجابت کی وجہ سے بہت مشہور تھا، آپ کے والد حاجی عبداللہ بہت نیک صفت اور صوم وصلوۃ کے پابند تھے، والدہ صاحبہ بھی بہت سے اوصاف حمیدہ کی مالک تھیں۔

جائے پیدائش: مشرقی یوپی کے مشہور ضلع گونڈہ کے قصبہ کرم ڈیہہ میں ۱۳۴۰ھ میں پیدا ہوئے تاریخ پیدائش بعض لوگوں نے تحریر شدہ نہ ہونے کی وجہ سے ۱۲/۱۳/۱۷/۱۹۱۹ر بھی ذکر کیا ہے۔

تعلیم کا پہلا مرحلہ: ابتدائی تعلیم سے لے کر مڈل تک ہلدھرمؤ اور قصبہ دھانے پور میں حاصل کی اس زمانہ میں مڈل تک کی تعلیم حاصل کرنا بڑے فخر کی بات تھی۔

تعلیم کا دوسرا مرحلہ: حفظ قرآن کریم ہے اس کے لئے آپ نے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں صفر ۱۳۵۲ھ میں داخلہ لیا، اس زمانہ میں آپ کے بہت قریبی عزیز (آپ کی والدہ کے حقیقی ماموں) قاری عبدالوہاب صاحبؒ قاری عبدالمالکؒ کے درجہ میں معاون مدرس تھے۔

درس وتدریس: (پہلا مرحلہ) فراغت کے بعد آپ کو بانی مدرسہ فرقانیہ گونڈہ حضرت قاری عبدالوہاب صاحب نے مدرسہ میں ناظرہ پڑھانے کیلئے رکھ لیا البتہ کچھ ہی دنوں میں آپ اتنے مقبول ہوئے کہ درجہ حفظ آپ کے سپرد کیا گیا، ۲۲رسال تک مسلسل اس کی خدمت کرتے رہے اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء چلے گئے۔

دوسرا مرحلہ: ۱۹۵۶ء میں ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اور ندوۃ العلماء کے نائب ناظم حضرت مولانا معین اللہ ندویؒ کی تحریک پر اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے مشورے سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درجۂ حفظ کے نظام اور اس کی اساس کے لئے تشریف لائے۔ یہاں پر آپ نے تقریباً ۲۰رسال بے لوث ہو کر صرف اور صرف خدمت قرآن کو انجام دیا۔ ۱۹۷۶ء کے آخر میں درجہ حفظ کے نظام کو اپنے مایہ ناز شاگردوں کے سپرد کر کے گونڈہ چلے گئے۔

تیسرا مرحلہ: یہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے دور اہتمام کا ہے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے دگرگوں حالات کے پیش نظر آپ کو عمائدین شہر نے دوبارہ بلالیا اور مدرسہ کے اہتمام کی ذمہ داری سونپی اس ذمہ داری کو آپ نے آخری دم تک الحمدللہ بحسن خوبی انجام دیا۔

نکاح: جس سال آپ نے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں پڑھانا شروع کیا اسی سال قاری عبدالوہاب صاحبؒ بانی وناظم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ نے اپنی اکلوتی ہمشیرہ کی شادی آپ سے کردی۔

حج: حافظ صاحب نے متعدد حج وعمرہ کئے پہلا حج ۱۹۵۶ء میں کیا اور پھر تقریباً ۱۲رحج کئے اور ۲۰/یا ۲۲رعمرہ کئے، آپ کعبۃ اللہ کی زیارت کے بہت ہی شوقین تھے اور ہمیشہ مخصوص دعائیں پڑھا کرتے تھے۔

بیعت وخلافت: نوعمری ہی میں حضرت شیخ الہندؒ کے خلیفہ حضرت مولانا ضرغام الدینؒ سے بیعت ہوئے، ان کی وفات کے بعد خط وکتابت کے ذریعہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور پھر بیعت بھی ہوئی ۱۹۴۹ء میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے منسلک ہوئے اور پھر

اجازت وخلافت سے سرفراز کئے گئے۔

وفات: چہارشنبہ ۳۰ جولائی ۲۰۰۸ء مطابق ۲۶ رجب ۱۴۲۹ھ ظہر کے وقت ایک بجکر ۱۰ منٹ پر آشیرواد اسپتال ضلع گونڈہ یوپی میں اس دارفانی سے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اہل خاندان: حافظ صاحبؒ کے علاوہ دو بھائی اور تین بہنیں تھیں (سب سے چھوٹے بھائی جن کا نام عبد الجلیل تھا حافظ صاحب سے ہی حفظ کیا) سب وفات پا چکے ہیں، اس کے علاوہ آپ کی ۲ صاحبزادیاں ہیں اور دونوں باحیات وصاحب اولاد ہیں۔

(۱) عائشہ خاتون (حاجی عبدالقیوم صاحب)

(۲) میمونہ خاتون (مولانا عبدالحفیظ صاحب)

نماز جنازہ: رات دس بجے کے قریب ملک کے ممتاز عالم دین مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر اور ندوۃ العلماء کے ناظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے پڑھائی۔

مدفن: گلاب شاہ تکیہ محلّہ میواتیان ضلع گونڈہ یوپی

• • •

حافظ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ صاحب
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ وناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حافظ محمد اقبال صاحب گونڈہ کی ایک عظیم اور بزرگ شخصیت تھے وہ ایک ممتاز حافظ قرآن ہی نہیں اس کے معلم بھی تھے، مولانا عبدالوہاب صاحب اور قاری عبدالمالک صاحب جیسے اساتذۂ فن سے انہوں نے کسب فیض کیا تھا، ان سے حفظ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تربیت کا کام بھی بہت اچھے ڈھنگ سے انجام پارہا تھا تقویٰ اور دینی احتیاط اور ذکروعبادت کا ان کو اہتمام تھا، اور اسی کو انہوں نے اپنی زندگی کا مشغلہ بنایا، اور اس میں بہت اخلاص کے ساتھ اور دینی جذبہ سے لگے ہوئے تھے، اور حفظ قرآن کی تعلیم دینے والوں میں وہ اپنی خصوصیات میں ممتاز تھے، اس کو وہ اپنی دنیاوی ضرورت کے تحت نہیں کرتے تھے، بلکہ اپنی دینی ترقی اور آخرت کی سرفرازی کے لئے اختیار کئے ہوئے تھے، اس بات کا خود وہ دعویٰ نہیں کرتے تھے، لیکن ان سے قریبی واقفیت رکھنے والوں کو اسی کا اندازہ اور اسی کا احساس تھا، اور جس کو بھی ان سے سابقہ پڑا اس کا یہی احساس تھا۔

گونڈہ میں مدرسہ فرقانیہ کو ان کے پیش رو مولانا عبدالوہاب صاحب نے قائم کیا تھا، جو خود اپنی جگہ پر ایک بزرگ شخصیت تھے، اور انہوں نے بڑے دینی جذبہ اور کتاب اللہ کی خدمت کے تقاضے سے اس مدرسہ کو قائم کیا تھا، اور ان کے جذبہ ہی کی برکت تھی کہ مدرسہ کو ان کے بعد چلانے کے لئے حافظ محمد اقبال صاحب جیسا منتظم ومدرس ملا۔

ان کی اسی خصوصیت کو دیکھ کر ان کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں لایا گیا کہ یہاں پر وہ حفظ کے درجہ کی سرپرستی کریں اور ان کی سرپرستی میں یہاں حفظ کا نظام چلایا جائے، ندوۃ العلماء کے نائب ناظم مولانا معین اللہ صاحب ندویؒ نے خاص

طور پر اس کی فکر کی ، اور ناظم ندوۃ العلماء مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے توجہ فرمائی ، چنا
نچہ حافظ اقبال صاحب گونڈہ سے اس کام کے لئے بلائے گئے ، انہوں نے پوری
دلجمعی کے ساتھ کام کو چلایا ، اور ایک مؤثر نظام بنایا ، جس کا اچھا نفع حاصل ہوا ، اور
اس سے اچھے شاگرد تیار ہوئے ۔ پھر وہ گونڈہ کے مدرسہ کے تقاضے کی بناء پر وہاں وا
پس گئے ، اور یہاں درجہ حفظ کو ان ہی کے شاگردوں نے سنبھالا اور ان ہی کے
اختیار کردہ طریقہ پر چلایا ، اور الحمد للہ آج بھی اسی طریقہ پر حفظ کا نظام دارالعلوم
ندوۃ العلماء میں قائم ہے ، اور اس سے طلبہ فائدہ اٹھا رہے ہیں ، اور پھر مزید یہ کہ
ندوۃ العلما کی دیگر شاخوں میں بھی اسی طرز پر حفظ کا نظام چلایا جارہا ہے ، اور قرآن
مجید کا فیض ندوۃ العلماء کے سارے حلقوں میں جاری ہے ۔

حافظ محمد اقبال صاحبؒ دیندارانہ نظام زندگی رکھتے تھے اور اس کے پوری طرح
پابند تھے اور اس کے لئے اپنے وقت کے بزرگوں سے تعلق رکھتے تھے ، اصلاح وارشاد
کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ سے منسلک تھے ، لیکن اس کے
ساتھ ساتھ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ سے بھی اچھا تعلق تھا ، اور ندوہ میں
ان کے آنے میں ان دونوں بزرگوں کے مشورے اور کوشش کو خاص دخل تھا ، ندوۃ العلماء
کے ناظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اس انتخاب کو بہت پسند کیا تھا ، اور
مولانا کے نائب ومعاون مولانا معین اللہ صاحب ندویؒ نے اس میں بہت دلچسپی لی ۔

مولانا معین اللہ صاحب ندویؒ کو اس بات کی بڑی فکر تھی کہ ندوۃ العلما کے حفظ کے
نظام کو ایسا شخص ہی چلائے جو تعلیمی صلاحیت بھی اچھی رکھتا ہو اور قرآن مجید جیسی متبرک
کتاب سے اسی دینی جذبہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہو جس کا اس عظیم کتاب سے تعلق رکھنے
کی ذمہ داری ہو ۔ اور یہ خصوصیات انہوں نے حافظ محمد اقبال صاحب میں محسوس کیں ۔

ان کے ندوہ میں رہنے کی خاصی مدت میرے سامنے ہے میں دیکھتا تھا اور ندوہ

میں میری ان سے ملاقات بھی ہوتی تھی ان کو دیکھ کر میرا احساس ان کے بارے میں
بہت اچھا تھا ، اور کسی بھی ادارے میں ان کے رہنے کو میں صرف مفید نہیں بلکہ دینی فضا
کو تقویت پہونچانے کا باعث سمجھتا تھا ۔ ندوہ سے جانے کے بعد ان سے ان کی
خیریت معلوم ہوتی رہی اور وہ لکھنؤ جب آتے تو ندوہ آتے اور ملاقات کرتے ، ندوہ
سے جانے کے بعد بھی ان کا ندوہ سے بڑا تعلق رہا اور ندوہ والوں کا ان سے تعلق رہا ۔

وہ عمر میں مجھ سے بڑے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کی مدت بھی دراز
فرمائی جس میں قرآن مجید سے ان کے تعلق کی برکت معلوم ہوتی ہے ۔ ان کی انہی
خوبیوں کی بناء پر ان کے انتقال کو سب نے بڑا نقصان محسوس کیا ۔ اگرچہ وہ آخر میں
خاصے ضعیف ہوگئے تھے اور علالت کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا ، جس کے لئے ان کو
ڈاکٹروں سے قریب رہنے کی ضرورت تھی ، لیکن وہ قرآن مجید سے تعلق میں انقطاع
نہیں پسند کرتے تھے ، اور بہت ضروری حد تک علاج کے ماحول میں رہ کر گونڈہ میں
اپنے مرکز عمل میں جاتے اور قرآن مجید کی خدمات جاری رکھتے حتی کہ آخری دن
جس میں ان کا انتقال ہوا اس دن بھی قرآن مجید کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا ، اور
مدرسہ میں اس نظام کی نگرانی انجام دی ۔ اس طرح وہ قرآن مجید کے عمل میں تا عمر
مشغول رہے ، ہمیں بھی اپنے رفقاء کے ساتھ ان کے جنازہ میں شرکت کی سعادت
حاصل ہوئی ۔ وہاں ان کے قدردانوں کی بڑی تعداد ملی ، اور اندازہ ہوا کہ ان کو ان کی
دینداری اور حفظ قرآن کی خدمت سے کتنی مقبولیت اور لوگوں کی قدردانی حاصل ہوئی ،
یہ دین اور حفظ قرآن سے تعلق رکھنے والوں کے لئے قابل رشک ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان
کی نیکیوں اور اپنے کلام مقدس کی خدمت کا زیادہ سے زیادہ اجر عطا فرمائے اور اس
خلا کو پر فرمائے جو ان کی وفات سے ہوا ہے ، آمین ۔ (بحوالہ تعمیر حیات لکھنؤ)

• • •

فضیلۃ الشیخ الحاج الحافظ محمد اقبالؒ

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی صاحب

مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وایڈیٹر البعث الاسلامی لکھنؤ

صوبہ اتر پردیش کے شہر گونڈہ میں مدرسہ فرقانیہ کے مہتمم اور دارالعلوم ندوۃ العلما کے شعبہ تحفیظ القرآن کے بانی الحاج حافظ محمد اقبال صاحبؒ نے پیر میں فالج کے اثر سے لمبی مدت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ مرحوم کافی دنوں سے علیل تھے اور وہیل چیئر کے سہارے ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے تھے ۳۰ جولائی ۲۰۰۸ مطابق ۲۶ رجب ۱۴۲۹ھ کو اپنی عمر کے ۹۷ سال مکمل کر کے جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْ ن.

آپ نہایت کشادہ قلب نیک مزاج اور نرم خو تھے، قرآن کریم کے مانے جانے حافظ اور لائق افتخار مدرسین میں آپ کا شمار ہوتا تھا اور اس تعلق سے ملک و بیرون ملک میں آپ کو بڑی شہرت حاصل تھی ہندوستان کے علاوہ ایشیا، افریقہ، برطانیہ کے طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے آپ سے زانوئے تلمذ طئے کیا۔

آپ کا ایک عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ ہی کی کوششوں کے نتیجہ میں دارالعلوم ندوۃ العلما کے شعبہ ''تحفیظ القرآن'' کا قیام عمل میں آیا اور آپ کی محنتو ں طلبہ و مدرسین کے اخلاص تقویٰ، پرہیزگاری، تلاوت کلام اللہ، نماز کے اوقات کی پابندی، نوافل اور تہجد میں قرآن کریم کی تلاوت کے نتیجہ میں اس شعبہ نے خوب سے خوب

ترقی کی اور آپ خود بھی اخلاص وتقویٰ کے بلند مقام پر فائز تھے اور نہایت سادگی و قناعت پسندی کی زندگی گزارتے اور اس پر بڑے شکر گزار رہتے تھے، الحمدللہ اللہ رب العزت نے آپ کو ایسی دینی خصوصیات سے نوازا تھا جسکی نظیر آج ہمارے معاشرہ میں کم ہی ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا یہ شعبہ بڑے بڑے مدارس اسلامیہ کے لئے ایک نمونہ اور تعلیم وتربیت کے میدان میں ممتاز نظر آتا ہے۔

مرحوم نے دارالعلوم ندوۃ العلما میں ۲۰ سال پر مشتمل ایک خوشگوار عرصہ گزارنے اور حفاظ قراء کی ایک بڑی کھیپ تیار کرنے کے بعد حالات کی مجبوری کی وجہ سے اس شعبہ کی ذمہ داری اپنے ممتاز شاگردوں کے سپرد کردی اور خود مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے ذمہ داروں کے اصرار پر وہاں جا کر منصب اہتمام کو رونق بخشی الحمدللہ آپ کے دور اہتمام میں خوب ترقی ہوئی اور مدرسہ نے بڑی شہرت حاصل کی۔

حافظ صاحبؒ صلاح وتقویٰ ذمہ داری کا احساس، اور اسکو سنجیدگی وامانت داری سے انجام دینے کے معاملے میں اپنی مثال آپ تھے، آپ ہر معاملہ میں ثواب کی امید رکھتے ہوئے اللہ کی جانب رجوع کرتے تھے آپ صحیح معنوں میں آیت کریمہ (**ومن اوفیٰ بما عاهد عليه الله فسيؤ تيه اجراً عظيما**) کے مصداق تھے۔

اللہ رب العزت آپ کو غریق رحمت کرے اور آپ کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں بہترین نعمتوں سے آپ کا اکرام اور اہل وعیال کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے (وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِيْنَ)

(ماخوذ از البعث الاسلامی عربی لکھنؤ)

• • •

خدا کا ایک قدرے گم نام
لیکن انتہائی نیک نام بندہ

مولانا نور عالم خلیل امینی صاحبؒ
استاذ ادب عربی ورئیس التحریر ''الداعی'' عربی دارالعلوم دیوبند

انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمع محفل کی طرح سب سے جدا، سب کا رفیق

کئی سال سے بڑھاپے کے بہت سارے عوارض اور طرح طرح کے امراض سے لڑتے ہوئے، مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے مہتمم وسرپرست، مرد ربانی حافظ محمد اقبال گونڈوی ۹۵-۹۶ سال کی عمر میں اپنے وطن گونڈہ میں چہارشنبہ ۲۶/رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۰/جولائی ۲۰۰۸ء کو ایک بج کر تقریباً دس منٹ پر ظہر کے وقت اپنے رب کے حضور پہنچ گئے۔ اللہ پاک بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔

چہارشنبہ وپنج شنبہ کی درمیانی شب میں تقریباً دس بجے ان کی نماز جنازہ ملک

کے ممتاز عالم دین، مسلم پرسنل لابورڈ کے صدر اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم وسرپرست حضرت مولانا محمد رابع حسنی نے پڑھائی نماز جنازہ میں بڑی تعداد میں علماء صلحا وطلبہ کے ساتھ ساتھ بڑی تعداد میں عوام نے شرکت کی، جس میں ان کے معتقدین ومحبین کی خاصی تعداد بھی دور دور سے وقت کی قلت کے باوجود شریک ہوجانے میں کامیاب رہی۔

حافظ محمد اقبالؒ نے عمر دراز یعنی ۹۵-۹۶ سال کی زندگی پائی۔ اپنی عمر کے ۷۶ سال انہوں نے کتاب الٰہی قرآن پاک کی تحفیظ وخدمت میں صرف کیے۔ ان کی زندگی صلاح وتقویٰ اور زہد کا نمونہ تھی۔ وہ اپنے بہت سے ہم عمروں اور رفقائے کار ومتعارفین کے لیے بجا طور پر اس حوالے سے قابل رشک رہے کیوں کہ اپنی سی کوشش اور چاہت کے باوجود، وہ نیکی وپرہیزگاری میں ان کی سطح کو نہ پاسکے۔ وہ برصغیر کے صلحائے مشاہیر میں شمار نہ ہونے کے باوجود میرا خیال ہے اور شاید میری طرح ان کے بہت سے متعارفین کا بھی یہی خیال ہوگا کہ وہ بہت سے شہرت یافتہ علما وصلحا سے زہد واتقا اور سادہ اور کفاف کی زندگی گزارنے میں بالیقین فائق تھے۔

شریعت اسلامی نے کسی آدمی کے واقعی نیک اور خدا ترس ہونے کا یہ معیار بتایا ہے کہ اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والے کو خدا یاد آجائے اور اس کی صحبت میں جتنا زیادہ وقت گزارا جائے صحبت یافتوں کو اسی درجہ اپنے خدا سے تعلق میں اضافہ محسوس ہو دنیا سے اس کا رشتہ کمزور اور خدا سے اس کا رشتہ مظبوط تر دکھائی دے۔ میں اللہ کو گواہ بنا کے یہ بات کہتا ہوں کہ حافظ محمد اقبالؒ سے جب جب ملا ایک عجیب سی ایمانی لذت اور روحانی کیفیت محسوس ہوئی، جس کو میں صحیح طور پر اپنے الفاظ میں ادا نہیں کرسکتا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے ایسی ایمانی لذت بعض دفعہ بعض معروف علمائے

صالحین کی صحبت میں بھی محسوس نہ ہوئی، جن کے یہاں ارادت مندوں، معتقدوں اور دست گرفتوں کی بھیڑ رہا کرتی تھی۔

دین داری سے دمکتا ہوا مکھڑا

وہ انتہائی منحنی، ہلکے پھلکے بدن کے آدمی تھے سرخ و سفید، متوسط القامت، چہرے پہ ہلکی سے داڑھی مگر انتہائی روشن رو تھے۔ ان کے ہونٹوں پہ ہمہ وقت مسکراہٹ رقصاں رہتی۔ کسی بھی ملنے والے کو ان کے مختصر وجود سے قبل ہونٹوں پر کھیلتی ان کی مسکراہٹ سے سامنا ہوتا۔ ہر ملنے والے کو محسوس ہوتا کہ حافظ محمد اقبال اس کی اپنی جان سے زیادہ اس سے قریب ہیں۔ نظر پڑتے ہی وہ سلام کرتے اور خبر خیریت دریافت کرتے تو ملنے والے کو لگتا کہ ان کی شخصیت اس کے اندر سرایت کر رہی ہے ان کا وجود اس کے اندر تحلیل ہو رہا ہے۔ وہ واقعتاً جذبات و احساسات کو بانٹتے محسوس ہوتے اور صاف معلوم ہوتا کہ وہ ملاقاتی کی ذات کا حصہ بن گئے ہیں خواہ ملاقاتی ان کی ذات کا حصہ نہ بن سکا ہو۔ ان کی زبان ان کے ضمیر کی ترجمان تھی ان کے ظاہر و باطن میں ایسی یکسانیت تھی جو کم ہی ہوتی ہے خدا شاہد ہے کہ میں نے ان کے ایسے بہت کم لوگ دیکھے ہیں جس کی زبان دل کی اور دل زبان کا ترجمان ہو۔ اس کے برعکس میں نے ایسے بہت سے لوگوں کو دیکھا اور تجربہ کیا ہے جن کی نیکی کی دھوم مچی ہوئی تھی لیکن وہ تجربے کے بعد شہرت کے معیار مطلوب پر پورا نہیں اتر سکے، اس وقت بہت افسوس ہوا اور دل میں ایسا منفی اثر قائم ہوا کہ اس کی وجہ سے سارے ان لوگوں سے بہت بدظنی ہو گئی جو نیکیوں کے لباس میں تو ہوتے ہیں، لیکن ذرا بھی نیک نہیں ہوتے۔

بہت سے قد آور علما سے زیادہ قد آور ''حافظ''

حافظ محمد اقبال رسمی طور پر ''عالم'' نہ تھے انہوں نے کسی مشہور یا غیر مشہور

مدرسے سے عالمیت و فضیلت کی سند حاصل نہیں کی تھی۔ وہ صرف قرآن پاک کے حافظ تھے اور بس وہ غالباً باقاعدہ تجوید و قراءت کی بھی سند نہیں رکھتے تھے، اسی لیے وہ صرف ''حافظ محمد اقبال'' تھے ''قاری محمد اقبال'' بھی نہ تھے چہ جائے کہ ''مولانا محمد اقبال'' ہوتے لیکن ''حافظ محمد اقبال'' مشرقی یوپی کے ایک بڑے علاقے میں ایک باوقار و پراعتبار نام بن گیا تھا، جس کا مصداق صلاح و تقویٰ، دین داری و پرہیزگاری، دنیائے دنی سے بے رغبتی اور رحمٰن کی چوکھٹ پر پڑے رہنے والے ایک بڑے نیک نام آدمی کی ناقابل شمار خوبیوں سے عبارت تھا۔ ان کی دید و شنید کے دائرے کے مدارس کے ماحول کا کوئی آدمی جب بھی ''حافظ محمد اقبال'' سنتا تو اس کا دل اس یقین سے بھر جاتا کہ یہ وہی ذات ہے جس سے اللہ نے محبت کی ہے اللہ نے اس کو جان لیا ہے اور اسی نے اس کو اپنی مخلوق کی ایک معتد بہ تعداد میں مشہور کر دیا ہے اور اس کے دل میں اس کی محبت ڈال دی ہے ''حافظ محمد اقبال'' ایک ایسے انسان کا استعارہ تھا جس کے دل میں ایمان کی بشاشت رچ بس گئی تھی اور اسلام کی عظمت اس کے رگ و ریشے میں سما گئی تھی یہ انسان بداخلاقی، کج روی، سیرت کے بگاڑ، بدباطنی وغیرہ کی ساری آلودگیوں سے یکسر منزہ تھا، میں نے سالہا سال دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ میں انھیں جیا اور برتا تھا۔ وہاں درجہ حفظ کی تاسیس ہی انہیں کے ذریعے عمل میں آئی تھی وہ عرصہ بیس سال تک وہاں اس کے روح رواں اور سرپرست رہے کچھ سالوں بعد میں بھی وہاں مدرس ہوا یہ بیسویں صدی کے آٹھویں دہے کی بات ہے حفظ و تجوید کے حلقے ان دنوں زیادہ تر سلیمانیہ ہاسٹل کی دوسری منزل کے وسطی ہال میں لگا کرتے تھے، ہال کی جانب شرق کے کمرے ہی درجہ حفظ کے طلبہ کی رہائش گاہ تھے راقم السطور ان دنوں اسی دوسری منزل پر جانب غرب میں ہال کے بغل کے ایک کمرے میں رہائش پذیر تھا، حافظ محمد اقبال درجہ حفظ کے طلبہ کے کمروں، ہال میں واقع درجہ حفظ کے

حلقوں دارالعلوم ندوۃ العلما کی مسجد اور اپنی رہائش گاہ کے درمیان، جو گومتی ندی کے سامنے دارالعلوم کی مرکزی عمارت کے مغرب میں واقع تھی ان گنت بار میرے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے نظر آتے، ان کی زبان ذکر اللہ سے ہر وقت تر رہتی ان کے ہاتھ میں باریک دانوں کی خوب صورت سی تسبیح ہوتی جیسے ہی کسی سے ان کی ملاقات ہوتی ان کی باچھیں کھل جاتیں وہ سلام میں سبقت کرتے اور اس سے اس کی خبر خیریت دریافت کرنے میں پہل کرتے وہ جیسے ہی ملتے شدید سے شدید غم غلط ہو جاتا اچانک ملنے والے کو بھی ہمیشہ یہ محسوس ہوتا کہ وہ اپنے سب سے بڑے غمگسار اور ہمدرد دیرینہ سے مل رہا ہے۔ ۲۴ گھنٹے میں دسیوں بار ان سے آتے جاتے ضرور ملاقات ہو جاتی اور ایک آدھ مرتبہ وہ میرے کمرے میں بھی منھ ڈال کر میری خبر خیریت معلوم کرتے تو لگتا کہ کسی ہمدرد حکیم نے زندگی کے میرے زخم ہائے دامن دار پر مرہم ڈال دیا ہے۔ ان کے ایک تبسم اور ایک بول سے بھی ایسی حلاوت و برودت محسوس ہوتی، جس کا ادراک آسان اور اس کا بیان مشکل ہے۔ اس حلاوت و برودت کا سرچشمہ ان کی پختگی ایمانی قلب کی صفائی اپنے مولیٰ کی مخلصانہ عبادت، اپنے رب سے سچا تعلق گناہوں سے اجتناب معاصی کے محرکات سے احتراز اور ہر مسلمان کے ساتھ ہمہ وقت حسن ظن تھا۔

علمائے صالحین کے محبوب

میں نے کسی لمحہ انھیں لایعنی میں مشغول نہیں پایا، وہ اپنے فرائض منصبی کو انتہائی ایمانداری چستی اور وقت کی پابندی کے ساتھ ادا کرتے یا تسبیح اور اوراد وظائف میں لگے رہتے، چلتے پھرتے بھی اللہ کا ذکر ہمہ وقت ان کی زبان پر جاری رہتا ہے، عبادت وتلاوت ان کا امتیاز تھی، پابندی اوقات ان کی شناخت تھی، وہ قیام اللیل کے

فرائض ہی کی طرح پابند تھے، ان کی آنکھوں اور چہرے بشرے سے شب بیداری کے اثرات چھلکتے تھے، وہ اپنے درجے کے طلبہ کو عشاء کی نماز کے بعد بہ عجلت کھلا پلا کے سُلا دیتے اور رات کے آخری حصے میں جگا دیتے ایک گھنٹہ تلاوت اور تذکر کے بعد ہی صبح صادق طلوع ہوتی وہ طلبہ ومدرسین کو بھی پابند وقت بنائے رکھتے، وہ تحفیظ کے پختہ نظام کے وضع کرنے، اس کو برپا کرنے اور اس پر متعلقہ حفاظ وطلبہ کو کاربند رکھنے کے حوالے سے، لائق تقلید نمونہ تھے، اس سلسلے میں ان کی نیکی، دین داری اور ساری سرگرمیوں اور معاملات میں حسن اخلاق، نرمی وگدازی اور شفقت ومحبت کو بنیاد بنانے کی وجہ سے نہ صرف انھیں بڑی آسانی ہوتی بلکہ متعلقہ لوگوں کو بھی کوئی پریشانی محسوس نہ ہوتی۔ وہ اپنے سے وابستہ خدمت گزاروں کو بہ جلد مانوس کر لیتے اور خود بھی ان سے مانوس ہو جاتے، چنانچہ انھیں ان کے تحت کام کرنے میں بڑی سعادت محسوس ہوتی کسی بھی سرپرست، ذمے دار اور منتظم کی یہ سب سے بڑی کامیابی ہے کہ اس کے ماتحت لوگ کام کو بار نہیں بلکہ سعادت سمجھیں۔

حافظ محمد اقبال وقت کے چیدہ و برگزیدہ علما وصالحین کے ہاں ہمیشہ محبوب رہے وہ ان میں سے اکثر کے ہاں آتے جاتے اور ان کی صحبت ومجالست سے فائدہ اٹھاتے اور زاد آخرت کے حصول کی راہ کی رکاوٹوں کے دور کرنے کا طریقہ ان سے سیکھتے، چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے لوگوں میں پروفیسر مولانا عبدالباری ندویؒ (متوفی جمعرات ۳۰ رجنوری ۱۹۷۶ء۔ ۲۶ رصفر ۱۳۹۶ھ) کی خدمت میں تقریباً روزانہ ہی حاضر ہوتے جن کا مکان لکھنؤ میں ڈالی گنج کے علاقے میں سیتا پور روڈ پر واقع تھا اور اس وقت وہ بستر مرض وشیخوخت پر تھے جو بالآخر بستر مرگ ثابت ہوا، مولانا عبدالباری ندویؒ کے ہاں آمد ورفت میں اکثر یہ راقم ان کے ساتھ ہوتا اس طرح دونوں بزرگوں کی صحبت سے فائدہ اٹھاتا اسی طرح اکثر ان کی معیت میں

اسلامی اہل قلم، داعی الی اللہ اور عمیق العلم عالم و شیخ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء۔۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء) کی ملاقات کو بھی جاتا حافظ صاحب انہی کے دست گرفتہ اور ان کے خلیفہ و مجاز بھی تھے۔ حافظ محمد اقبال ناظم ندوۃ العلما مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ (۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء۔۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) کے ہاں بھی بڑے محبوب و محترم تھے اور ان کے شاگرد رشید و دست راست و نائب ناظم ندوۃ العلما مولانا معین اللہ ندویؒ (متوفی ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) تو ان کے بہت ہی قدرداں تھے۔ مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی (متوفی ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء) کی خدمت میں بھی وہ کثرت سے حاضر ہوتے اور ان کے سوز دل و تپش جگر سے اپنے دل کی بھٹی گرم کرتے۔

ان کے متقی ہونے کی یقینی علامت

انسان کی نیکی کی غالباً سب سے بڑی علامت یہی ہے کہ خدا کے نیک بندوں کو اس سے محبت ہو اور عام مسلمانوں کے دل بھی اس کی طرف اس طرح کھنچتے ہوں جیسے آہن پارے مقناطیس کی طرف اور ہر انسان کو اس کی صحبت سے انسیت محسوس ہوتی ہو، بلکہ ہر آدمی اس کو اپنا جگری دوست باور کرتا ہو۔ حافظ محمد اقبالؒ اس معیار پر مکمل طور نہ صرف اترتے تھے بلکہ وہ ان صلحا میں تھے جنھیں دیکھ کر ہی یہ معیار قائم کیا جا سکتا ہے۔ وہ تادم حیات اس معیار پر قائم رہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے رب نے ہی انھیں اس معیار کا بنایا تھا اور خدائے کریم کے کرم سے امید ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ جنت میں بھی مقام اعلیٰ عطا کرے گا اور انبیا و صدیقین، شہدا و صالحین کے جوار میں انھیں جگہ دے گا اور یہی لوگ بہترین ساتھی ہیں۔

حافظ محمد اقبالؒ نے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں حفظ قرآن پاک کیا اور وہیں

تقریباً ۲۰ سال تک مدرس حفظ رہے اسی اثنا میں مولانا علی میاں ندویؒ کی نظر انتخاب ان پر پڑی اور دارالعلوم ندوۃ العلما میں درجۂ حفظ کے قیام و انصرام کے لیے انھیں اپنے ہاں بلا لیا، یہاں بھی انھوں نے کم و بیش بیس سال گزارے پھر وہ اپنی مادر علمی و مادر وطن مدرسہ فرقانیہ گونڈہ واپس آگئے اور زندگی کا باقی حصہ مدرسے کے انتظام و انصرام اور تحفیظ قرآن پاک کی خدمت میں گزارا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی نیک نامی و نیک کامی میں اضافہ ہوتا گیا اور اسی سعادت مندانہ حالت میں انھوں نے وفات پائی۔ وہ عرصے سے نحیف و نزار اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے وھیل چیئر پر ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے تھے لیکن اس حالت میں بھی وہ تحفیظ کی درس گاہ میں آکر آنکھیں بند کیے بیٹھے رہتے اور طلبہ حفظ قرآن میں مشغول رہتے، وہ ان کی مبارک آواز سن کر سکون قلب محسوس کرتے۔ اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کی محبت و عقیدت کی برکت سے راقم کو بھی حسن خاتمہ کی سعادت سے سرفراز کرے۔ اللہ پاک ان کے سارے پسماندگان و محبّین کو صبر و جزا سے نوازے۔ آمین۔

(بحوالہ پس مرگ زندہ)

• • •

حافظ صاحبؒ

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب

سابق ایڈیٹر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ملک سے باہر کا قیام ان موقعوں پر بڑا گراں گزر جاتا ہے جب اپنے گھرانوں میں سے یا خاص تعلق والوں میں سے کسی یکایک گزر جانے کی خبر آجاتی ہے۔حافظ محمد اقبال صاحب جن کے لئے ہماری زبانوں پر لفظ حافظ جی ہوتا تھا، ان کے انتقال کی خبر ایسے ہی آئی اور اپنی دوری شاق گزر گئی۔کیا تعلق حافظ صاحب کو ہم لوگوں کے ساتھ حضرت والد مرحوم سے تعلق کی بنا پر تھا۔ان کی خدا طلبی کی علامات کو دیکھتے ہوئے بس ایک خوش نصیبی کہی جانے والی بات ہے۔

حضرت والد صاحب کی زندگی میں ادھر جانا ہوتا تو لکھنؤ میں قیام ان کے ساتھ ہی ہوتا تھا۔اور حافظ صاحب کی لکھنؤ آمد ہوتی تو وہیں ملاقات ہو جاتی۔بعد میں بھی حسب عادت اسی مکان میں اترا، کہ والد صاحب اگر چہ اب نہ رہے تھے مگر حسان اور سجاد دونوں چھوٹے بھائیوں سے وہ مکان اب بھی آباد تھا اور الفرقان کا دفتر وہیں تھا۔مگر اب ان دونوں سے بڑے حفیظ نعمانی کا اصرار ہونے لگا کہ اب تو

میرا حق ہے کہ آپ آئیں تو قیام میرے ساتھ ہو۔اور بالآخر یہ اصرار غالب آگیا اور اب دو سال سے میرا لکھنؤ کا قیام وہیں ہونے لگا۔اب حافظ صاحب کی لکھنؤ تشریف آوری ہوئی اور میں دفتر الفرقان والے گھر میں نہ ہوا تو باوجود اس کے کہ بہت کمزور ہو چکے تھے، حفیظ میاں ہی کے یہاں ملنے کی زحمت فرماتے۔میں بھائی بہنوں میں بڑا ہونے کی بنا پر بھائی صاحب کہلاتا تھا، حافظ صاحب بھی اسی نام سے یاد فرماتے، حالانکہ وہ عمر میں مجھ سے بہت کافی زیادہ تھے۔اللہ قبر پر رحمتیں نازل فرمائے۔کیا محبت، کیا سادگی اور کیا وضعداری تھی!

آخری ملاقات غالباً اس سال کے شروع میں الفرقان کے دفتر میں ہوئی تو کمزوری کا وہ عالم نظر آیا کہ بس اللہ ہی اللہ ہے۔میں نے کہا حافظ جی ایسی کمزوری میں بھی سفر ہو رہا ہے! تو پتہ چلا کہ اس دفعہ ایک طالبعلم کو ساتھ لے لیا ہے۔گویا خود بھی اس درجہ کمزوری کا احساس ہو چکا تھا کہ اب تنہا سفر مناسب نہیں۔ورنہ معلوم ہوتا تھا کہ حافظ صاحب کے لئے، جو دیکھنے میں کوئی مضبوط قسم کے آدمی جسمانی اعتبار سے نہ تھے۔سفر میں کچھ رکھا ہی نہیں تھا۔ایک جھولا اور چادر اٹھائی اور چل دیئے۔وہ ایک ایسے شاندار مدرسۂ حفظ و قراءت کے سربراہ تھے کہ میں دو سال قبل پہلی مرتبہ وہاں پہنچا تو بلند و بالا وسیع عمارت دیکھ کر یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ یہ ہمارے حافظ صاحب کا مدرسہ ہے۔حافظ صاحب کو جس سادگی اور بے نفسی میں میں دیکھتا آیا تھا اس کے ساتھ اس شاندار سے جوڑ لگتا تو کیسے لگتا۔حافظ صاحب صرف ایک ایسے شاندار مدرسے کے (جس کے طلبہ اور عمارات کی کچھ تفصیل گزشتہ ماہ کے الفرقان کے بعض مضامین میں آچکی ہے) سربراہ ہی نہ تھے اپنے علاقے کے شیخ بھی تھے۔مگر تھرڈ کلاس میں (جو اب سیکنڈ کہلانے لگا) اکیلے سفر کی وضع نہ بدلی۔

یہ بات کہ حافظ صاحب اپنے علاقے میں ایک شیخ کا مرتبہ رکھتے تھے، مجھے

اس کی کوئی باقاعدہ تحقیق تو نہ تھی ، نہ میرا ادھر آنا جانا تھا لیکن ایسی علامات دیکھتا تھا جن سے اس کا یقین سا تھا ، اور لکھنے میں کسی تامل کی ضرورت نہ تھی لیکن یہ تحریر مکمل ہونے تک اس قریب بہ یقین گمان کی تحقیق کی صورت بھی من جانب اللہ بن گئی ، حافظ صاحب سے متعلق اس تحریر کا آغاز کرتے ہوئے بعض معلومات کے لئے ذہن حضرت والد صاحب کے اسی علاقے کے مسترشدین میں سے بھائی رحمت اللہ صاحب (بانئ مدرسۂ مظہر العلوم ، نوگئیاں ، ضلع بہرائچ) کی طرف گیا ، جن کا مضمون بھی بانئ الفرقان نمبر میں شامل ہے اور حافظ صاحب کے بہت ہی خاص تعلق والوں میں ہوتے تھے وہ میرے خط کے جواب میں حافظ صاحب کی وفات پر اپنے صدمے اور تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں ’’انہیں کے ذریعے سے ہم سب کو ہمارے سارے علاقے کو صحیح دین نصیب ہوا۔ انہیں کے ذریعہ مرکز اصلاح وتبلیغ لکھنؤ سے تعلق ہوا اور حضرت مولانا نعمانی صاحب علیہ الرحمہ و محترم مولانا علی میاں علیہ الرحمہ جیسے بزرگوں اور اللہ والوں سے تعلق و محبت اور ان حضرات کے پاس آنے جانے کی توفیق انہیں کے طفیل نصیب ہوئی۔‘‘ پھر اسی حوالے سے اپنے مدرسہ کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ’’ہر دوسرے تیسرے مہینے مدرسہ آکر اس کی خبر گیری کرتے رہتے‘‘ اور یہ بھی کہ مدرسے کی اس آمدورفت میں لوگ ان سے بیعت بھی ہوتے رہے جس کی درخواست انہوں نے حافظ صاحب سے اس گمان پر کی کہ ان کو حضرت نعمانیؒ سے اجازت حاصل ہے۔ اور یہ درخواست قبول کئے جانے ہی سے پتہ چلا کہ اجازت وخلافت کا ان کا اندازہ صحیح تھا۔‘‘ اللہ بھائی رحمت اللہ صاحب کو جزائے خیر دے ان کی تحریر سے حافظ صاحب کی یہ بلند ظرفی بھی سامنے آئی کہ اتنے قریبی لوگو ں پر بھی ان کی اجازت وخلافت مخفی چلتی رہی تھی۔

حضرت والد صاحب کے حین حیات تو حافظ سے رابطہ بس انہی دنوں ہوتا تھا

جب لکھنؤ جانا ہو جائے۔ لیکن یہ شمع گل ہوئی تو حافظ صاحب کے اندر کے تعلق نے یہ صورت دکھائی کہ خطوط کے ذریعے یاد فرمانے لگے۔ اور پھر ایسی پابندی ہوئی کہ کوئی مہینہ شاید ناغہ نہ جاتا۔ رہ رہ کر افسوس ہو رہا ہے کہ ادھر ہندوستان سے واپسی کے بعد سے کئی ماہ گزر جانے کے باوجود میرا دھیان اس طرف کیوں نہ گیا کہ حافظ جی کا کوئی گرامی نامہ نہیں آرہا۔ اور یہ بھی یاد نہیں آیا کہ ہندوستان چھوڑنے سے پہلے جو آخری ملاقات ہوئی تھی اس میں وہ انتہائی ضعف کو پہنچے ہوئے نظر آئے تھے۔ جس کے بعد اپنا فرض تھا کہ خیر طلبی کے لئے رابطہ کیا جائے۔ کچھ ایسے الجھاؤ یہاں آتے ہی صحت نے اختیار کئے اپنے لکھنے لکھانے کے منصوبے اس بری طرح متاثر ہونے لگے۔ اور اس چیز نے ساری توجہ ان منصوبوں اور صحت کے عدم توازن پر مرکوز کئے رکھی۔ پھر اس غفلت کی آنکھ اس وقت کھلی جب حافظ جی کے اٹھ جانے کی خبر یکا یک آئی۔ اللہ ان کی محبت اور حسن تعلق کی بہترین جزا ان کو دے۔

اتنے قدیم اور قریبی تعلق کے باوجود جس کا اندازہ قارئین کو عزیزی سجاد میاں کے مضمون (الفرقان ستمبر) سے ہوا ہوگا ، حافظ صاحب کو اس طرح دیکھنے کا موقع مجھے کبھی نہیں ملا جسے ’’قریب سے دیکھنا‘‘ کہتے ہیں۔ البتہ ایک بات کا پوری طرح اندازہ تھا کہ حافظ صاحب کو حضرت والد صاحب کے مزاج سے بہت مناسبت اور ہم آہنگی ہے ، مشیخیت کا کوئی گزر یہاں نہیں تو وہاں بھی اس کا نام نہیں ہے۔ یہاں اخفاء ہے تو وہاں بھی اظہار گوارہ نہیں۔ ورنہ یہ بات کہاں ہوتی جس کا اوپر ذکر آیا ، کہ ایک جھولا اور چادر اٹھائی اور تن تنہا سفر پہ روانہ ہو گئے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت والد صاحب نے بھی (۱۹۷۶ میں معذوری کی صورت پیدا ہو جانے سے پہلے تک) بالعموم اکیلے ہی سفر کئے ، جو آئے دن ہوا کرتے تھے اور اسی تھرڈ کلاس میں کئے کہ عوام سے دور ہونے نہ پائے۔ (اور یہ تذکرہ بھی اس ضمن میں

کچھ غیر موزوں نہ رہے گا دینی اداروں کے خرچ پر سفر کے سلسلے میں تو حضرت والد صاحب کا مزاج یہ تھا کہ رابطۂ عالم اسلامی تک کے ایک جلسے میں سوال اٹھائے بغیر نہ رہے کہ رابطہ کیوں اپنے ارکان کو فرسٹ کلاس کے ٹکٹ ایشو کرتا ہے، عام کلاس میں ممبران کو سفر کرنا چاہئے، حالانکہ وہ ٹکٹ تو سعودی خزانے سے بنتے تھے، اور سعودیہ کے لئے کوئی چیز ہی یہ چند ٹکٹ نہ تھے نہ ہی عرب ممبران اس کے روادار ہونے والے تھے نہ ہوئے۔)

الغرض حافظ صاحب مزاجاً ہم آہنگ تھے اور شیخ سے مزاجی مناسبت جس تقرب کا باعث قدرتی طور پر بنتی ہے اس کا بھی اتفاق سے ایک بھرپور اظہار حضرت والد صاحب کی وفات پر الفرقان کے یادگاری نمبر (۱۹۹۸) میں شائع ہونے والے ایک مضمون سے ہوگیا۔ یہ برادرم محمد حسان نعمانی کا مضمون تھا۔ اس مضمون میں والد صاحب کا ایک اصلاحی گرامی نامہ بھی شامل تھا جو کسی وقت برادر عزیز کے لئے لکھا گیا تھا۔ اور اس دور اختتام پر جو چند نصیحتیں بطور خاص تحریر فرمائی گئی تھیں ان میں سے ایک ان ''دینی شخصیات کے ساتھ حسن تعلق'' تھی جو حضرت والد صاحب کی معذوری کی وجہ سے گاہے بہ گاہے ملنے تشریف لے آتے۔ اور ان کا پہلا واسطہ باہر الفرقان کے دفتر میں حسان میاں ہی پڑتا، ان حضرات میں تین کے نام بطور مثال درج فرماتے ہوئے لکھا تھا ''حضرت علی میاں مدظلہ، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب اور حافظ محمد اقبال صاحب جیسے حضرات جو اس زمانے کے اہل اللہ میں سے ہیں'' دو ناموروں کے ناموں کے ساتھ تیسرا نام حافظ اقبال صاحب کا ہو، اس سے زیادہ تقرب کا کیا درجہ تلاش کیا جائے؟

عمر بھی اللہ نے بھرپور عطا فرمائی، اور مقدمہ فرمایا کہ کتاب عزیز کی خدمت میں صرف ہو۔ یہی خدمت ان کا اوڑھنا بچھونا بنی رہی سچ کہا گیا ہے کہ یہ خدمت

ان کا عشق بن گئی تھی۔ کہیں ہوتے، بھاگ دوڑ کر درجے کے وقت پر مدرسے پہنچتے۔ کوئی نرینہ اولاد حافظ صاحب نے اگرچہ اپنے اس عشق کے تسلسل کے لئے نہیں چھوڑی مگر اتنے حفاظ بنا کر چھوڑ گئے ہیں کہ کوئی اولاد اس کا بدل نہیں ہوسکتی تھی۔ ہمارے اپنے گھرانے میں ان کی اس خدمت کی دو یادگاریں ہیں اور الحمدللہ خدمت دین ہی سے وابستہ۔ برادر عمزاد مولوی حافظ عبدالمؤمن سلمہ مہتمم وصدر مدرس مدینۃ العلوم سنبھل اور عزیزی مولوی حافظ محمد وسیم سلمہ مدرس مدینۃ العلوم جو بھتیجے ہوتے ہیں۔ حافظ صاحب نے اہلیہ صاحبہ کے علاوہ دو بیٹیاں (اور ان کی اولادیں) چھوڑی ہیں اور راقم کی اہلیہ جو مرحوم کی ندوے کی مدرسی کے زمانے میں ان کے یہاں آتی جاتی رہتی تھیں بڑی خوشی سے ان لوگوں کے دینی رنگ کا تذکرہ کیا کرتی تھیں۔ اللہ ان سب کو حافظ صاحب کی جدائی کے صدمے کے اجر سے مالا مال فرمائے کہ بڑا تعلق حافظ صاحب کو بچیوں سے تھا۔

(ماہنامہ الفرقان اکتوبر ۲۰۰۸ء)

• • •

خادم القرآن

حضرت حافظ محمد اقبال صاحب نوراللہ مرقدہ

مفتی محمد سلمان منصور پوری صاحب

استاذ حدیث مدرسہ شاہی مرادآباد وایڈیٹر ماہنامہ ندائے شاہی

تعلیم قرآن سے عشق کے درجہ کا تعلق رکھنے والے خوش نصیب اور بافیض بزرگ خادم القرآن حضرت حافظ محمد اقبال صاحب گونڈوی نوراللہ مرقدہ انتہائی زاہد فی الدنیا، صاحب ورع وتقویٰ اذکار واشغال اور نوافل کے پابند بزرگ تھے، اور اللہ کے ان خوش نصیب مقبول بندوں میں تھے جنہیں دیکھ کر خدا کی یاد تازہ ہوتی ہے، عبادت کا نور آپ کے چہرے بشرے سے نمایاں تھا آپ کی گفتگو حکمت ریز اور باتیں عارفانہ ہوتی تھیں، بلاشبہ آپ فنافی القرآن تھے پوری زندگی قرآن ہی اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا، ان کی زندگی کا نصب العین قرآن پاک کی ترویج و اشاعت تھی، آپ کا اصلاحی تعلق عارف باللہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر ''الفرقان'' لکھنؤ سے تھا اور موصوف ہی سے آپ کو اجازت بیعت حاصل تھی، آپ نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے اصرار پر ندوۃ العلماء میں تحفیظ القرآن کے شعبہ میں دسیوں سال خدمت انجام دی اور اس شعبہ میں نکھار پیدا کیا، آپ ہی کی توجہ کی بدولت ندوۃ العلماء کا یہ شعبہ دور دور تک نیک نام ہوا اور سیکڑوں بچوں نے آپ کی درسگاہ سے تکمیل حفظ کی سعادت حاصل کی۔

اس کے بعد آپ نے مشرقی یوپی کے ممتاز دینی ادارہ مدرسہ عربیہ فرقانیہ گونڈہ کی

تدریسی اور انتظامی ذمہ داریاں سنبھالیں اور ضعف اور اعذار اور عمر کی زیادتی کے باوجود آخری لمحات تک ان مبارک مشاغل میں لگے رہے۔ موصوف کو اچھی نماز اور اچھے قرآن کی بڑی قدر تھی فرماتے تھے کہ جس شخص کی نماز اچھی ہو یہ اس کے دین کے اچھے ہونے کی علامت ہے۔ اسی لئے مدرسہ کے طلبہ کو قرآن کریم کا رشتہ نماز سے قائم کرنے پر بہت زور دیتے تھے اور عموماً تحفیظ القرآن کے طلبہ کو نماز مغرب کو اوابین میں پارہ سنانے کا پابند بنایا جاتا تھا۔

راقم الحروف سے موصوف کی شناسائی تقریباً پچیس سال سے تھی، احقر کی جب بھی آپ سے ملاقات ہوئی انتہائی انسیت محبت اور شفقت کا معاملہ فرمایا۔ مرادآباد تشریف لاتے تو شروع میں مدرسہ شاہی میں مولانا عبدالجلیل خاں صاحب کے کمرہ میں قیام رہتا تھا، اور اخیر میں ضعیف العمری اور اعذار کی وجہ سے الحاج عبدالحفیظ خاں صاحب لال باغ کے یہاں قیام فرماتے تھے، لیکن ایک وقت کھانا یا ناشتہ کے لئے احقر کے غریب خانہ پر اور مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب کے دولت خانہ پر تشریف لاتے، اور نہایت مسرت کا اظہار فرماتے، اور انتہائی قیمتی نصائح سے نوازتے تھے۔ بعض مسائل معلوم کرنے کے لئے تحریری سوالات بھی بھیجتے اور جواب پر پورے شرح صدر سے عمل فرمایا کرتے تھے۔ موصوف کی وفات سے پورا علاقہ گویا ایک عظیم سایہ سے محروم ہوگیا، اور اسلاف کی ایک جیتی جاگتی نشانی ہم سے اوجھل ہوگئی، اللہ تعالیٰ حافظ صاحب مرحوم کی خدمات کو بے حد قبول فرمائیں اور ان کے درجات بلند سے بلند فرمائیں، آمین۔

(ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد)

• • •

اور آفتاب غروب ہو گیا

پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی صاحب

سابق استاذ اردو فارسی امیر الدولہ اسلامیہ کالج لکھنؤ

مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے ایک قدیم ترین بزرگ استاد حافظ محمد اقبال ۳۰ جولائی ۲۰۰۸ء کو بدھ کے دن دوپہر میں ایک اور ڈیڑھ بجے کے درمیان اپنے معبود حقیقی سے جا ملے۔ **اناللہ و انا الیہ راجعون۔**

حافظ صاحب کی نماز جنازہ ان کی خواہش کے مطابق آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر اور ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے پڑھائی۔ ایک اندازے کے مطابق نماز جنازہ میں تقریباً پچیس ہزار افراد شریک ہوئے جس میں بزرگان عظام، علمائے کرام، اہالیان شہر گونڈہ اور اطراف و جوانب کے معتقدین و متوسلین کے علاوہ ان کے شاگرد حفاظ وقراء کی بڑی تعداد تھی۔ رات میں تقریباً دس بجے مدرسہ سے تھوڑی دور تکیہ گلاب شاہ نامی قبرستان میں ایک جم غفیر کے ہاتھوں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

نماز جنازہ میں افراد کی کثرت کو بزرگان دین نے اچھی علامت بتلایا ہے۔ افراد کی یہ زیادتی اگر ایک طرف حافظ صاحب کی مقبولیت کا پتہ دیتی ہے تو دوسری طرف اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لیا اور یہ حدیث تو مشہور ہی ہے کہ ''اللہ اپنے بندوں کے گمان کے قریب ہے'' امام ابن تیمیہؒ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ کسی عالم سے دوران گفتگو انھوں نے فرمایا تھا کہ ''یوم الجنازہ فیصلہ کن ہوگا'' بہر حال اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کی قبر کو نور سے بھر دے

اور ان کے درجات کو بلند فرمائے آمین۔

یہ حقیر ان خوش نصیبوں میں سے ایک ہے جسے ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۵ء تک حافظ صاحب کے زیر تربیت رہ کر ان سے حفظ کی تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا، دوران قیام طلباء کے ساتھ حافظ صاحب کی شفقت ومحبت بھی دیکھی اور سختی ونرمی کے مراحل بھی نظر سے گذرے میں چونکہ حافظ صاحبؒ کے مرشد حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کی سفارش پر وہاں پہنچا تھا اس لئے مجھ پر ان کی خاص نظر کرم تھی۔ میں کھانا بجائے مطبخ کے ان کے گھر میں ان کے ساتھ کھاتا تھا اور ناشتہ کا خصوصی انتظام استاذ حفظ و قرات حافظ خان زماں صاحب کے ساتھ تھا۔ یہ تعلق اور شفقت وعنایت بحمد للہ معمولی ردو بدل کے ساتھ گونڈے میں میرے پورے تعلیمی دور پر محیط رہا۔

۱۹۵۵ء کے بعد تقریباً ۲۰ سال میں اپنی عصری تعلیم اور الہ آباد میں اپنی ملازمت کی وجہ سے باقاعدہ ملاقات تو نہیں کرسکا، البتہ خط وکتابت کے ذریعہ تعلق برقرار رہا ۱۹۷۵ء میں جب میں الہ اباد سے لکھنؤ کے امیر الدولہ اسلامیہ کالج منتقل ہوگیا تو بحمد للہ دوبارہ پھر ملاقاتوں کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ حافظ صاحبؒ کا اب یہ معمول سا ہوگیا تھا کہ جب وہ لکھنؤ تشریف لاتے تو یہاں لوگوں سے ملاقات کی فہرست میں اس حقیر کا نام بھی ہوتا۔ وہ اکثر علی الصباح میرے غریب خانے ''بیت النور'' عقب مدح گنج پولس چوکی سیتاپور روڈ تشریف لے آتے اور تھوڑی دیر رک کر نزدیک ہی برادرم حافظ احمد الباری کے دولت خانے ''شبستان سعادت''، متصل شیعہ کالج سیتاپور روڈ چلے جاتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حافظ احمد الباری کے یہاں اگر پہلے پہنچ گئے تو مجھے وہاں بلوالیا کرتے تھے۔ اکثر حافظ صاحب احمد الباری صاحب کے یہاں رات میں رک جاتے تھے۔ ایک بار میں نے شکایتاً عرض کیا کہ حضرت! میرا بھی حق ہے میرے پاس بھی کبھی قیام کیجئے فوراً تیار ہوگئے اور بولے ''اچھا تمہارے

ہی پاس رکونگا‘‘ اس طرح نومبر ۲۰۰۷ء کی وہ رات ہمارے حصہ میں آئی۔ اس رات میں نے طالب علمی کے زمانے کی طرح ان کی خوب خدمت کی اور اس کے بدلہ میں ہر ہر لمحہ وہ مجھ کو دعاؤں سے نوازتے رہے۔

اس تاریخی رات کو میں نے موقع غنیمت جان کر ان سے بہت سارے سوالات کر ڈالے اور جوابات نوٹ کرتا رہا۔ دوسرے دن صبح انہیں حسب عادت ’’احمد الباری‘‘ کی یاد آئی تو میں نے انہیں شبستان سعادت‘‘ پہنچا دیا۔ اس رات مجھے حافظ صاحبؒ سے جو معلومات حاصل ہوئیں وہ کچھ اس طرح ہیں۔

حافظ اقبال صاحبؒ کی پیدائش بقول ان کے ۱۹۱۷ء مطابق ۱۳۳۵ھ میں ہوئی اس لحاظ سے ان کی عمر بوقت انتقال باعتبار سن عیسوی ۹۱ سال اور باعتبار سن ہجری ۹۴ سال ہوئی، ان کے والد کا نام حاجی عبداللہ تھا، آپ شہر گونڈہ سے تقریباً پندرہ کلو میٹر دور ایک چھوٹے سے گاؤں ’’کرم ڈیہہ‘‘ کے رہنے والے تھے۔

انہوں نے ابتدائی تعلیم تو گھر پر ہی حاصل کی لیکن رسم زمانہ کے مطابق بہرائچ کے ایک اسکول میں ۱۹۲۹ء میں داخلہ لیا لیکن وہاں دل نہ لگا اور تھوڑے دنوں کے بعد گونڈہ آگئے اور یہاں قصبہ دھانے پور کے ایک اسکول میں دو سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ لیکن عصری تعلیم سے طبعی مناسبت نہ ہونے کے سبب کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ بالآخر اپنے والد صاحب اور خاندان کے دیگر بزرگوں کے مشورے سے ۱۹۳۲ء میں وہ لکھنؤ آگئے اور یہاں مولانا عین القضاۃ کے مشہور ادارے ’’مدرسہ عالیہ فرقانیہ‘‘ میں حافظ معصوم علی صاحب کے درجہ حفظ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت اتفاق سے قاری عبدالوہابؒ عالمی شہرت کے مالک قاری عبدالمالکؒ کے معین کی حیثیت سے فرقانیہ لکھنؤ میں موجود تھے۔ حافظ اقبال صاحبؒ کو ان سے بڑی تقویت ملی اور حافظ صاحبؒ نے قاری صاحبؒ سے وہاں استفادہ کیا۔ چند ہی

دنوں کے بعد گونڈہ شہر کے اہل علم اور بااثر حضرات کی دعوت پر ایک دینی مدرسہ کے قیام اور اس کے اہتمام کے لئے قاری عبدالوہابؒ گونڈہ چلے گئے۔ دو سال ہی گذرے تھے کہ ایک بار پھر حافظ صاحب کو وطن کی یاد نے بے چین کر دیا اور وہ گونڈہ آگئے۔ خوش قسمتی سے یہاں گونڈہ میں قاری عبدالوہابؒ کے دست مبارک سے مدرسہ فرقانیہ کی داغ بیل پڑ چکی تھی اور یہاں حفظ کا معقول انتظام تھا۔ اس لئے اب انھوں نے قاری صاحب موصوف کی نگرانی اور سرپرستی میں داخلہ لے کر خود انھیں سے ۱۹۳۴ء میں حفظ قرآن کی تکمیل کر لی۔

حافظ اقبال صاحب محنتی، پابندی وقت کے عادی، دیانتدار اور سب سے بڑی بات بانی مدرسہ قاری عبدالوہابؒ کے معتمد تھے اس لئے فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں بحیثیت استاذ ۱۹۳۴ء میں ان کا تقرر ہو گیا دو سال بعد ۱۹۳۶ء میں بعمر ۱۹ سال قاری عبدالوہاب صاحب کی ہمشیرہ سے حافظ صاحبؒ کی شادی ہو گئی۔ اب اس تعلق کی وجہ سے قاری عبدالوہابؒ کے دست راست بن گئے اور اسی مدرسہ میں رہ کر خدمت خلق اور تدریس قرآن میں مصروف ہو گئے۔

حافظ صاحب ابتدا سے ہی سادگی پسند، تکلّفات سے عاری، اصولی اور مذہبی ذہن کے مالک اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی زندہ مثال تھے۔ دروغ گوئی سے انہیں نفرت تھی مدرسہ میں طلباء کو یہ تاکید تھی کہ ’’خبردار جھوٹ مت بولنا‘‘ بلکہ طالب علم سچ بول کر اگر اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتا تو اس کی سزا یا تو معاف ہو جاتی یا اس میں تخفیف ہو جاتی۔ حافظ صاحب نماز باجماعت کے نہ صرف پابند بلکہ تکبیر تحریمہ بھی ترک نہ ہونے دیتے۔

۱۹۴۹ء میں حافظ صاحبؒ مولانا منظور نعمانیؒ سے بیعت ہوئے۔ وہ پہلے ہی سے دینی مزاج کے حامل تھے اب اس میں اور زیادتی ہو گئی۔ اوراد وظائف متعین

ہوگئے، عام حالات میں تسبیح ان کے ہاتھ میں رہتی تھی اب زبان ہر وقت تسبیح وتحلیل میں ڈوب گئی۔ ۱۹۵۰ء میں جب ان کی عمر ۳۳ سال کی تھی میں نے انہیں تہجد گذار پایا۔ وہ سحر کے وقت ہاسٹل کے تمام طلباء کو جگا کر قرآن یاد کرنے کے لئے بٹھا دیتے اور خود تہجد پڑھنے اور ضربیں لگانے میں مصروف ہو جاتے۔

مجھے طالب علمی کے زمانے کے علاوہ بھی حافظ صاحبؒ کے ساتھ رات میں قیام کا موقع ملا ہے، میں نے انہیں ہمیشہ تہجد گزار پایا ابھی سال گذشتہ نومبر ۲۰۰۷ء میں جب حافظ صاحبؒ کا رات میں قیام میرے غریب خانے پر ہوا، اس وقت شدید سردیاں تھیں، وہ بے انتہا کمزور ہو چکے تھے عمر کا آخر حصہ تھا، اس وقت بھی انھوں نے تہجد کی نماز ادا کی، معتبر ترین حضرات نے بتلایا کہ حافظ صاحبؒ نے سفر و حضر میں کبھی تہجد کی نماز ترک نہ ہونے دی۔ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں قرآن کی تدریس کا یہ سلسلہ ۱۹۳۴ء سے شروع ہو کر ۱۹۵۶ء تک یعنی ۲۲ سال بحمد للہ خوش اسلوبی کے ساتھ جاری رہا۔ اس کے بعد ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں جب شعبۂ حفظ کھلا تو ذمہ داران ندوہ بالخصوص مولانا علی میاں ندویؒ، مولانا معین اللہؒ، مولانا منظور نعمانیؒ اور مولانا عبدالباریؒ نے متفقہ طور پر اس شعبہ کے ذمہ دار کی حیثیت سے ندوہ بلا لیا، اللہ کا کرم شامل حال رہا اور حافظ صاحبؒ کی کوششوں کے باعث یہ شعبہ خاطر خواہ ترقی سے ہمکنار رہوا۔ اتفاق دیکھئے کہ ندوہ کی انیس سالہ خدمت کے بعد مدرسہ فرقانیہ کو پھر حافظ صاحب کی کمی اور ضرورت محسوس ہوئی تو حافظ صاحب دوبارہ ۱۹۷۵ء میں گونڈہ واپس بلا لئے گئے اور تادم آخر فرقانیہ کی خدمت کرتے رہے مدرسہ کی موجودہ شکل وصورت اور ترقی کا اکثر حصہ حافظ صاحب کی ہی توجہ کا مرہون منت ہے۔

حافظ اقبال صاحبؒ کو قرآن سے جو قلبی تعلق اور لگاؤ تھا اس کا اندازہ اس

سے لگایا جا سکتا ہے کہ شدید مصروفیت، بیماری اور علالت کے باوجود درجہ میں ضرور جاتے تھے جب انہیں منع کیا جاتا کہ آپ کو تیز بخار ہے آرام کر لیجئے تو فرماتے ’’قرآن سننے میں بڑا مزہ آتا ہے اور کوئی تکلیف نہیں ہوتی‘‘ عمر کے آخری حصہ میں وہ بے انتہا کمزور ہو گئے تھے چلنا پھرنا ان کے لئے مشکل امر تھا، زیادہ تکلیف اور نقاہت کے عالم میں وہیل چیئر کا بھی استعمال کر لیتے تھے لیکن درسگاہ کا ناغہ نہ کرتے، خود فرماتے تھے جب میں درجہ میں پہنچ جاتا ہوں تو بڑا سکون ملتا ہے، اور تازہ دم ہو کر نشاط سے قرآن سنتا ہوں‘‘ انہوں نے قرآن کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ قرآن سے تعلق اور شغف کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انتقال سے ایک یوم قبل تک سخت بیماری کے باوجود صبح وشام دونوں وقت حسب معمول وہ درسگاہ گئے اور بچوں کا قرآن سنا۔ آقائے نامدار ﷺ کا فرمان کتنا سچ ہے کہ ’’تم میں بہترین شخص وہ ہے جو خود قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے‘‘۔

حافظ صاحبؒ معاملات اور حسابات کے سلسلہ میں بالکل صاف تھے، مدرسہ کے لئے جب بھی انہیں کوئی رقم دیتا تو فوراً رسید پیش کر دیتے۔ اگر مدرسہ کے پتے پر منی آرڈر سے یا دستی رقم بھیجی گئی تو رسید کے ہمراہ شکریہ کا خط بھی ارسال کرتے۔ خود خط کم لکھتے تھے کسی خوش خط طالب علم یا استاد سے جواب لکھواتے لیکن دستخط خود کرتے۔ عام طور پر خط کے آخر میں ایک جملہ ضرور ہوتا ’’دعا کیجئے کہ خاتمہ ایمان پر ہو‘‘ اپنے زمانہ طالب علمی میں یہ خدمت تقریباً چار سال تک اس حقیر نے بھی انجام دی ہے۔

دیانت، امانت اور تقویٰ ان کے مزاج میں رچا بسا تھا۔ ۱۹۵۱ء میں محلّہ میواتیان میں ماسٹر یٰسین صاحب کا گھر طلباء کی رہائشگاہ تھا۔ حافظ صاحبؒ بحیثیت نگراں وہیں رہتے تھے لیکن درجات موجودہ عمارت کے قدیم حصہ میں لگتے تھے۔

ایک مرتبہ بعد نماز عصر حافظ صاحب مدرسہ سے گھر کے لئے نکلے، مجھے ساتھ چلنے کا حکم دیا اور ایک کام بھی سپرد کیا کہ ”میری بکری کے کان پکڑ کر لیتے چلو“۔ میں نے بکری کے کان پکڑے اور چند قدم چلا تھا کہ اس نے سر جھٹک کر کان چھڑا لیا، میں نے دوبارہ دوڑ کر اسے پکڑا اور پھر لے چلا۔ لیکن وہ برابر زور لگاتی رہی۔ راستہ میں ایک جگہ ایک صاحب پلنگ بن رہے تھے۔ باندھ کا کوئی دو فٹ کا ایک ٹکڑا کنارے پڑا تھا۔ میں نے اسے اٹھا لیا اور بکری کے گلے میں باندھ دیا تاکہ ہماری گرفت مظبوط ہو جائے۔ حافظ صاحبؒ نے پلٹ کر دیکھا پوچھا ”ارے یہ کیا کر رہے ہو؟ باندھ کہاں ملا“ میں نے بتایا ”فلاں جگہ سے“ رک گئے اور اپنے ہاتھ سے بکری کے گلے سے باندھ کھولا اور مجھے دے کر کہا ”جاؤ اور وہیں ڈال کر آؤ جہاں سے اٹھایا ہے۔ دوسرے کی چیز بغیر اجازت کے نہیں لیتے۔ اللہ میاں خفا ہوتے ہیں“ اس معمولی واقعہ سے ان کے تقوے پرہیزگاری اور خوف خدا کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے بہرحال وہ اللہ والے تھے اور ہم لوگوں کے لئے مثال۔ وہ آفتاب تھے جس کی روشنی سے ایک جہاں منور ہو رہا تھا۔ افسوس وہ آج غروب ہو گیا۔ وہ ایک ہیرا تھے، وہ ایک گنج گرانمایہ تھے، جواب ہزاروں من مٹی کے نیچے دب گئے ہے۔

• • •

آہ! حضرت حافظ محمد اقبال صاحبؒ

(حضرت والد ماجدؒ کے خلیفہ مجاز و معتمد خاص)

حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب
ایڈیٹر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ
ناظم معہد الامام ولی اللہ الدہلوی للدراسات الاسلامیہ

راقم سطور کا سال پیدائش ۱۹۵۵ء ہے اور ۶۰ء کی گئی کئی باتیں آج بھی یاد ہیں لکھنؤ میں اسی سال تبلیغی اجتماع ہوا تھا، جس میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ تشریف لائے تھے، ان کا منوّر چہرہ، اور سیاہ عمامہ بھی اچھی طرح یاد ہے ۶۰ء ہی میں لکھنؤ میں دریائے گومتی میں سیلاب آیا تھا، وہ بھی یاد ہے۔ ہم لوگ لکھنؤ کے تبلیغی مرکز سے ملحق ایک چھوٹے سے مکان میں رہتے تھے (وہ مکان اب مرکز کی نئی عمارت کے اندر آ گیا ہے) مرکز ہی کے ایک کمرے میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بھی مقیم تھے۔ اور اس طرح وہ مرکز کیا تھا۔ ایک عجیب وغریب جگہ تھی۔ آخر شب میں وہاں خانقاہ رائے پور کا سماں بن جاتا تھا، دن میں دونوں حضرات کے کمرے دارالمصنّفین بن جاتے تھے، عصر بعد دونوں حضرات کی مشترکہ مجلس میں علمی، اصلاحی، ملی وسیاسی موضوعات پر گفتگو ہوتی تھی، جس میں شہر کے خواص بھی اکثر

خاصی تعداد میں ہوتے تھے۔مغرب بعد تبلیغی مشوروں، بیانوں اور تشکیلوں کا ماحول ہوتا تھا، ملک بلکہ کبھی کبھی بیرون ملک سے بھی اہل علم، اور طالبین کی آمد ہوتی رہتی تھی۔ رمضان المبارک میں تو ایسی بہار ہوتی تھی کہ کیا کہنا! یہ تھا وہ ماحول جس میں اس راقم کی آنکھ کھلی اور اس کا بچپن اور نوجوانی گذری۔(یعنی ۱۹۵۵ء سے ۱۹۷۳ء تک)

جو چند چہرے شعور کے روز اول سے ہی میری آنکھوں اور دل و دماغ میں بسے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک چہرہ، حضرت حافظ محمد اقبال صاحبؒ کا چہرہ تھا، اللہ اللہ! کتنا روشن، کتنا سنجیدہ اور کتنا تر و تازہ چہرہ تھا حضرت حافظ صاحب کا! اس وقت تو اتنا ہی معلوم تھا کہ یہ حافظ جی ہیں، جن کا ہمارے ابّی (حضرت والد ماجدؒ) سے بہت خاص تعلق ہے۔ ہر جمعرات کو وہ ندوے سے مرکز ہفتے واری تبلیغی اجتماع میں شرکت کے لئے آتے تھے، انہیں کھانا وغیرہ کھلانے کی خدمت اکثر میرے ہی سپرد ہوتی تھی، اگلے دن صبح اشراق اور ناشتے کے بعد وہ واپس ہوتے تھے۔ان کے گھر کی مستورات بھی کبھی کبھی ہمارے گھر آتی تھیں، میں دیکھتا تھا کہ ان کی دو بیٹیاں ہماری امّی سے جنہیں وہ ''آپا'' کہتی تھیں اس انداز سے پیش آتی ہیں جیسے وہ ان کی بھی ''امّی'' ہی ہیں اور وہ بھی ان سے بالکل بیٹیوں جیسا برتاؤ کرتی ہیں........دھیرے دھیرے میں بھی ان کا چہیتا چھوٹا بھائی بن گیا۔اور پھر یہ تعلق واقعی ایسا پائدار اور مستحکم ہوا کہ فی زمانہ شاید کم ہی حقیقی بھائی بہنوں میں بھی وہ محبت اور احترام کا تعلق ہوتا ہوگا جو آج بھی الحمد للہ اس عاجز کو ان دونوں کی طرف سے نصیب ہے۔ پھر ایک وقت آیا کہ ۱۹۶۴ء میں ندوے میں میرا داخلہ ہوا، اکثر ایسا ہوتا کہ انٹرول (وقفہ) کے درمیان میں ان کے گھر چلا جاتا، وہاں مجھے دودھ اور انڈا ملتا اور میں تازہ دم ہو کر پھر اپنے درجے میں چلا جاتا۔

رمضان مبارک کے آخری عشرے میں حضرت والد ماجدؒ کی صحبت اور

استفادے کی نیت سے معتکفین کی جو جماعت مرکز کی مسجد میں ہر سال اعتکاف کرتی تھی، اس میں شاید ہر سال ہی حضرت حافظ صاحب بھی ہوتے تھے اور اس طرح اس راقم کو اپنی چھوٹی سی بساط کے مطابق حضرت حافظ صاحب کو بھی کچھ قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا تھا، حافظ صاحب جس طرح جی لگا کر نماز پڑھتے تھے اس کو دیکھ کر میرے جیسا کم سن بچہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا، یہ تو آگے چل کر پتہ چلا کہ نماز سے سے اور قرآن مجید سے ان کی روح کو جیسا عاشقانہ اور والہانہ تعلق تھا وہ اس دور میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہوگا۔

سفر ہو یا حضر، سردی ہو یا گرمی، تھکے ہوئے ہوں یا تر و تازہ، نماز کے شوق اور اہتمام میں کوئی فرق دیکھنے میں نہیں آتا تھا۔بہت دل لگا کر اور بڑے شوق کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، ایک نماز کے بعد اگلی نماز کے انتظار والی قلبی کیفیت کئی بار ان کے پاس بیٹھنے والے کو محسوس ہو جاتی تھی، اور نماز سے فارغ ہو کر ان کے چہرے بشرے پر ایک عجیب سا اطمینان اور بشاشت بھی صاف نظر آتی تھی، ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے (غالباً ماہ مئی ۲۰۰۸ء میں) گونڈہ کے مضافات میں ایک مدرسہ کے جلسے میں مجھے جانا تھا لکھنؤ سے روانہ ہو کر میں پہلے حضرت حافظ صاحب کی زیارت کے ارادے سے مدرسہ فرقانیہ پہونچا، اس بندۂ عاصی کو دیکھتے ہی حضرت حافظ صاحب کے ضعیف و ناتواں بدن میں خوشی سے ایک برق لہر سی دوڑ گئی، یہاں تک کہ اسی خوشی کی کیفیت میں اچانک ارادہ ظاہر کر دیا کہ ہم بھی ساتھ چلیں گے، میں نے بھی کہا اور ان کے گھر والوں نے بھی کہ آپ کی طبیعت کا تقاضا ہے کہ آپ یہ زحمت نہ اٹھائیں، مگر اللہ ری محبت کہ کسی کی نہ سنی، اور ساتھ میں چل دیئے، رات ۱۲؍ بجے کے قریب جلسہ گاہ سے واپسی ہوئی۔وہاں سے تقریباً ایک گھنٹہ کی مسافت پر ان کے بڑے داماد حاجی عبد القیوم بھائی کا مکان تھا، وہاں پہونچے اتنی رات گئے پورا گھر چشم براہ تھا کھانا کھایا

اور آرام کیا، میں تو فجر کی اذان سے کچھ ہی پہلے اٹھ پایا مگر ۹۵ سالہ حضرت حافظ صاحب شاید صرف ایک ڈیڑھ گھنٹہ آرام کے بعد تہجد کے لئے اپنے دائمی معمول کے مطابق اٹھے اور نماز سے فارغ ہو کر تلاوت قرآن مجید میں لگ گئے۔

قرآن مجید سے جس درجہ کا عشق اور اسے پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے میں اور اس کے درس کے حلقے میں شرکت سے ان کی روح کو جو لطف آتا تھا اسے لفظوں میں بیان کرنا کم از کم میرے لئے تو ممکن نہیں ہے۔حضرت حافظ صاحب نے پوری زندگی جیسے عدیم المثال ذوق وشوق اور جس مستقل مزاجی اور یکسوئی و انہماک کے ساتھ قرآن کی صحبت اور خدمت میں گذاری ہے وہ ان کی ایک پہچان بن گئی ہے۔اور قرآن عظیم الشان جس کی پہچان بن جائے، اس کی بلندی مقامی اور خوش نصیبی کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔؟

حضرت حافظ صاحب مشرقی یوپی کے ضلع گونڈہ کے ایک دیہات (کرم ڈیہہ) میں ایک کسان کے گھرانے میں بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے وسط میں (غالباً ۱۹۱۷ء میں) پیدا ہوئے، پہلے اسکول میں تعلیم حاصل کی، پھر اللہ جانے کس کے مشورہ سے ۱۹۳۲ء میں لکھنؤ کے حفظ وتجوید قرآن کے مشہور ادارے مدرسہ فرقانیہ آئے، اور استاذ القراء قاری عبدالمالک صاحبؒ کے درجہ میں داخل ہو کر حفظ قرآن میں لگ گئے اس زمانے میں گونڈہ ہی کے ایک بزرگ جو حضرت حافظ صاحب کے اقرباء میں سے تھے یعنی قاری عبدالوہاب صاحب وہ بھی اسی مدرسہ میں حفظ کے استاذ تھے۔ان سے بھی پڑھنے کا حافظ صاحب کو موقع ملا، اگلے سال ۱۹۳۴ء میں قاری عبدالوہاب صاحب گونڈہ کے بعض صحیح العقیدہ مسلمانوں کے اصرار پر مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں خدمت سے معذرت کرکے اپنے وطن گونڈہ واپس آگئے اور یہاں مدرسے کی بنیاد ڈالی اس کا نام بھی انہوں نے مدرسہ فرقانیہ ہی تجویز کیا۔

تھوڑے ہی دن بعد حضرت قاری عبدالوہاب صاحبؒ نے حافظ محمد اقبال صاحب کو بھی اپنے پاس گونڈہ ہی بلالیا، اور وہیں ان ہی کے زیر نگرانی ان کا حفظ مکمل ہوا اور پھر وہیں پہلے ناظرہ اور پھر حفظ کی خدمت میں لگ گئے۔اور پھر یہ خدمت انہیں ایسی راس آئی اور ان کے لئے ایسی قبولیت لکھ دی گئی کہ زندگی کے بقیہ ۷۲۔۷۳ سال صرف اور صرف اسی میں کھپادئے، شروع کے تقریباً بیس سال گونڈہ کے اسی مدرسہ فرقانیہ میں، پھر درمیان میں تقریباً بیس سال دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اور پھر آخر کے قریباً ۳۳ سال دوبارہ گونڈہ کے مدرسہ فرقانیہ میں بیٹھ کر، اس شان سے قرآن کی خدمت میں لگے رہے کہ کسی اور طرف پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔روز صبح سویرے سے لے کر رات تک بس ایک ہی کام تھا درجے میں بیٹھ کر طلبہ کا قرآن سننا۔بیک وقت کئی طلبہ کا قرآن سنتے تھے اور ہر ایک کو اس کی غلطی پر ٹوکتے رہتے تھے، غیر درسی اوقات میں مشغولیت یا تو مدرسہ کے انتظامی معاملات میں رہتی تھی یا کوئی دینی اصلاحی کتاب پڑھتے یا سنتے رہتے تھے آنے جانے والوں اور طلبہ واساتذہ سے شفقت بھرے سیدھے سادے انداز میں اصلاحی باتیں کرتے رہتے تھے حضرت والد ماجدؒ کی کتابوں، خصوصاً اسلام کیا ہے؟، قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ معارف الحدیث، نماز کی حقیقت اور مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی بار بار پڑھتے تھے اور ان کی مطالعہ کی لوگوں کو خصوصاً اہل علم حضرات کو ترغیب دیتے رہتے تھے۔

مدرسہ کی ضروریات کے لئے اہل خیر کو توجہ دلانے کی غرض سے یا دینی اصلاحی مقصد سے چھوٹے بڑے سفر کثرت سے کرتے تھے مگر حتی الامکان ترتیب ایسی بناتے تھے کہ اپنے اصل کام پڑھانے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ ہو، خواہ اس کے لئے کتنی ہی مشقت انہیں اٹھانی پڑے۔سیکڑوں لوگوں کو اس کا بار بار تجربہ ہوتا تھا کہ حافظ صاحب تشریف لائے، اور چند لمحے ہی بیٹھے تھے کہ اٹھ کھڑے ہوئے

اور واپس گونڈہ کے لئے روانہ ہونے لگے، میزبان ہزار خوشامد کرتا کہ تھوڑی دیر اور رک جائیں یہ کہہ کر معذرت کرتے کہ پھر درجہ پہونچنے میں تاخیر ہوجائے گی۔

ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ آخری دم تک قرآن کی خدمت کے اس مبارک کام میں مشغول رہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی یہ خواہش پوری کردی۔ نماز اور قرآن کے ساتھ ان کے دلی لگاؤ اور والہانہ تعلق کو دیکھ کر ان پر ٹوٹ کر رشک آتا تھا اور شاعر اسلام کا یہ شعر ان کے بالکل حسب حال نظر آتا تھا کہ

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

عبادت وتلاوت اور خدمت قرآن کے اس ذوق وشوق کے ساتھ حضرت حافظ صاحب صلہ رحمی، مہمان نوازی، اہل حاجت کی خبر گیری، مریضوں کی عیادت اہل تعلق کی دلجوئی وغیرہ اخلاقیات کا بھی بہت اہتمام کرتے تھے۔ اساتذہ طلبہ دور قریب کے اعزہ یا دینی و اصلاحی تعلق رکھنے والے لوگوں میں سے جس کسی کی کوئی پریشانی یا ضرورت سامنے آتی اس کے لئے متفکر اور بے چین ہوجاتے، دعاؤں کا بہت اہتمام کرتے اور ضرورت پڑتی تو اپنے مخلص اہل تعلق اور اہل خیر کو توجہ دلانے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ ایک لمبی فہرست ہے ان بیواؤں اور پریشان حالوں کی جن کی مستقل خد مت ان کے ذریعہ کی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں ایک خاص قابل ذکر بات یہ ہے (جو ان کی چھوٹی صاحبزادی میمونہ باجی کے ذریعہ معلوم ہوئی) کہ بعض حاجتمند عورتیں جب ان کے یہاں آتی تھیں تو وہ کبھی ان کو کھانا کھلوائے بغیر جانے نہیں دیتے تھے اگر کھانا گھر میں موجود نہ ہوتا تو ان کے لئے کھانا پکواتے اور کھلا کر ہی جانے دیتے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع ہی سے ان کہ سلیم طبیعت کو اپنی اصلاح وتربیت کے لئے اللہ والوں سے تعلق اور مستقل طور پر ان کی نگرانی میں رہنے کے ''ضروری''

ہونے کا احساس ہوگیا تھا، چنانچہ نوجوانی ہی کے دنوں میں خط وکتابت کے ذریعہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور پھر بیعت بھی ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد مشرقی یوپی کے ایک صاحب دل بزرگ حضرت مولانا ضرغام الدین صاحبؒ سے تعلق قائم کیا اور پھر ان کے بعد اپنے آپ کو حضرت والد ماجدؒ کے حوالے کردیا اور پھر آخر دم تک اس تعلق کو اس طرح نبھایا اور اس قدر استفادہ کیا کہ محبت اور اتباع کی ایک مثال قائم کر گئے۔ یہاں تک کہ اپنے شیخ ومرشد کا جو اعتماد انہیں نصیب ہوا وہ شاید صرف انہی کا حصہ تھا۔ ہم لوگ دیکھتے تھے کہ مختلف اہم معاملات میں حضرت والد ماجدؒ ان کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ حضرت والد ماجدؒ کی نگاہ میں ان کے مقام کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک مجلس میں حضرت حافظ صاحب کا تذکرہ چھڑ گیا تو رقت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ اگر آخرت میں اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کیا لائے ہو؟ تو عرض کروں گا کہ حافظ اقبال صاحب کو لایا ہوں۔

حضرت والد ماجدؒ کے علاوہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی (خلیفہ مجاز حضرت اقدس تھانویؒ) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور حضرت قاری صدیق احمد باندویؒ سے بھی محبت وعقیدت کا تعلق انہیں نصیب رہا اور ان سب بزرگوں کی بھی خصوصی توجہ اور اعتماد انہیں حاصل رہا۔

ہمارے پورے گھرانے کے ایک ایک فرد کو حضرت حافظ صاحب سے خاص قسم کا تعلق تھا۔ لکھنؤ سے لے کر سنبھل تک سب ہی ان کو ''بزرگ خاندان'' ہی سمجھتے تھے اور وہ بھی فرق مراتب کی رعایت کے ساتھ اس تعلق کو نبھاتے تھے۔ اس ناچیز راقم کے لئے اور اس کے اہل وعیال کے لیے تو وہ ہر طرح سے حضرت والد ماجدؒ کے قائم مقام تھے۔ کوئی پریشانی ہوتی، میں سب سے پہلے ان ہی سے دعا کی درخواست کرتا اور وہ مجسم دعا بن جاتے۔ مجھ پر ایک دور (۱۱-۱۲ سال پر مشتمل)

سخت پریشانی کا گذرا۔ اُن دِنوں شروع شروع میں اس سلسلے میں اپنا درد و کرب ان کے سامنے جب رکھتا تھا تو اس میں کچھ ''اپنوں'' کے گلے شکوے بھی، میری کم سمجھی اور نادانی کی وجہ سے آجاتے تھے، وہ سن تو سب لیتے تھے! لیکن چہرے کے تاثر سے مجھے محسوس ہوجاتا تھا کہ انہیں میری پریشانی کا احساس تو بہت ہے مگر میرا لب ولہجہ اور گلے شکوے کا یہ انداز پسند نہیں آرہا، مگر اللہ رے ظرف! کہ کہتے کچھ نہیں تھے۔۔۔ پھر ایک وقت آیا کہ میری سوچ کا رُخ بدلنا شروع ہوا، میری زبان سے گلے شکوے بند ہوئے، اب میں ان سے اس طرح کی باتیں بے ساختہ کہنے لگا کہ اب میری سمجھ میں آنے لگا ہے کہ یہ ساری پریشانیاں دراصل میری ہی اندرونی خرابیوں کا نتیجہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دراصل مجھے اپنی بیماریوں کے علاج کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہی یہ پریشانیاں بھیجی ہیں۔ اب تو بس یہ دعا کر دیجئے کہ اب تک کی غفلت اور گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے اور مجھے ان سب حیوانی اور شیطانی برائیوں سے پاک صاف کردے۔ اور میرا دل سب کی طرف سے صاف ہوجائے۔ میری زبان سے اس طرح کی باتیں سنتے ہی حضرت حافظ صاحب کے چہرے پر خوشی اور بشاشت کا نور چمکنے لگتا، وہ مجھے مطمئن کرنے لگتے، بشارتیں سنانے لگتے اور بڑھی ہوئی امید کے ساتھ دعاؤں میں لگ جاتے پھر جب ان کے علم میں آیا کہ میں اپنی اصلاح وتربیت کی غرض سے ڈھونڈتے ڈھونڈتے محبوب العلماء والصلحا حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم کی خدمت میں پہنچ گیا اور ان کے ہاتھ پر توبہ کرکے ذکر وسلوک کی کچھ محنت کرنے لگا تو بے حد خوش ہوئے، خود تشریف لائے، پوری تفصیل سنی اور بہت خوشی کا اظہار کیا، ان کے تاثر سے ایسا لگا کہ میری طرف سے انہیں اب اطمینان ہوگیا اس کے بعد بہت جلدی جلدی ملاقاتیں ہونے لگیں۔ میں تو ان کی خدمت میں کم ہی جاپاتا، وہ

باوجود اپنی پیرانہ سالی اور کمزوری کے جلدی جلدی لکھنؤ تشریف لاتے، وقت ہوتا تو قیام میرے غریب خانے ہی پر کرتے ورنہ کچھ وقت ضرور گذارتے، ہر دفعہ میں ان کی آنکھوں میں خوشی واطمینان کی نئی چمک اور ان کے پاس بیٹھ کر اپنے دل میں توبہ وانابت کی بڑھی ہوئی کیفیت محسوس کرتا اور اللہ کا شکر ادا کرتا۔

حضرت حافظ صاحب کی بڑھتی ہوئی توجہ اور شفقت کو میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت سمجھتا تھا اور سمجھتا ہوں، ملاقات میں تھوڑا سا بھی وقفہ ہوتا تو حضرت حافظ صاحب مجھے خط تحریر فرمادیتے۔ ان کے خط سے مجھے بہت تسلی ہوتی کہ اچانک ایک خط (مرقومہ ۱۸؍ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ) ایسا آیا جس کو پڑھ کر میں بے حد پریشان ہوگیا، خط کا وہ حصہ جو میرے لئے سخت پریشانی کا باعث بنا۔ اسے بعینہٖ نقل کررہا ہوں:

> ''خلافت کے معاملے میں اپنے بزرگوں سے جو باتیں سنیں، خود حضرت مولانا فرماتے تھے، حضرت رائے پوریؒ نے جو مجھے خلافت دی شاید اُن سے سہو ہوگیا ہے۔ حضرتؒ نے بہت اچھے الفاظ نقل کئے تھے جو مجھے یاد نہیں ہیں۔ بڑائی یہی ہے کہ اپنے بڑوں کا کہنا مان لینا چاہئے چاہے سمجھ میں نہ آئے۔ یہی احسن ہے اور بعض وقت اس میں بڑی ترقی ہے۔ میں نے آپ کو اجازت دی کہ اگر کوئی آپ کے ہاتھ پر توبہ کرنا چاہے یا بیعت ہونا چاہے تو آپ کرلیں اس میں بڑے فائدے ہیں۔ آپ کو یہ سب اندازہ ہے کہ جو اس راستے میں نہیں آئے ہیں ان سے بڑی بڑی غلطیاں ہوئی ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ آپ میں بڑائی نہیں ہے اور چاہتے ہیں کہ امت کی اصلاح ہو۔ سب سے احسن ذریعہ یہی ہے۔

امید ہے آپ میری اس درخواست کو منظور فرمائیں گے۔
یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ آپ کا جن سے تعلق ہے (یعنی
میرے شیخ ومرشد حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی
دامت برکاتہم) وہ آپ کے معاملہ میں بہت فکر مند ہیں۔
بزرگوں کی فکر بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس لکھنے کو
قبول فرمائے اوراس میں خیروبرکت عطافرمائے''۔

خط کا یہ حصہ پڑھ کر میرے پیروں کے نیچے سے زمین کھسک گئی۔ پہلی دفعہ تو میں سمجھا ہی نہیں کہ اس سب کا مخاطب میں ہی ہوں۔ بار بار پڑھا تو حیرانی ہوئی کہ حضرت حافظ صاحب نے یہ سب کیسے لکھ دیا؟ اتنی بھاری ذمے داری مجھ پر کیسے ڈال دی؟ بہرحال جواب میں میں نے اپنا حال زار کھول کر بیان کیا، میں نے کہا کہ میرے والد ومربی اورآپ کے شیخ ومرشد ''ابی'' مجھ سے خود فرمایا کرتے تھے کہ سجاد! تمہارے اندر کبروعجب کی بیماریاں ہیں ان کے بعد خاندان میں میرے سب سے پرانے اور مجھ سے بخوبی واقف ہیں، انہوں نے تو ایک موقع پر ازراہِ محبت وفکر مندی حضرت والد صاحب کو لکھ کر دیا تھا کہ ''سجاد مال اور جاہ کی محبت کا مریض ہے''۔ الغرض یہ سب حوالے دیکر اوراپنی اصلیت بتا کر میں نے حضرت حافظ صاحب کے پیر پکڑ لئے کہ میں ہرگز اس لائق نہیں ہوں۔ خدارا یہ حکم واپس لے لیجئے، لیکن حضرت حافظ صاحب نہ مانے، حوصلہ افزائی کے کلمات ہی فرماتے رہے اوردعائیں دیتے رہے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مجھے پھر ایک خط لکھا جس پر ۲۷/۴/۱۴۲۷ھ کی تاریخ درج ہے۔ اس میں تحریر فرمایا:

''میں الحمدللہ آپ کے حالات سے واقف ہوں، بہت سے
حضرات کو جو بزرگوں سے خلافت ملی ان کو بھی میں جانتا

ہوں۔ الحمدللہ میں آپ سے بہت اچھی طرح واقف ہوں
اوراللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی چیزوں سے نوازا ہے۔ جتنا
بھی اللہ تعالیٰ کا شکرادا کریں تھوڑا ہے۔ اپنی اندر کی چاہت یہ
ہے کہ میں آپ کو خلافت دوں، الحمدللہ میں نے یہ نیت کی ہے
کہ حضرتؒ کی خلافت میں اپنی طرف سے آپ کو دے رہا
ہوں، امید ہے آپ میری اس بات کو مان لیں گے، انشاء اللہ
میرے لئے اور آپ کے لئے آخرت میں بہترین تحفہ ہوگا''۔

اس خط کے بعد اس راقم آثم نے ایک بار پھر حضرت حافظ صاحب کی منت سماجت کی کہ وہ یہ ذمے داری مجھ پر نہ ڈالیں کہ میں اپنے کو ہرگز اس کا اہل نہیں پاتا، اس کے جواب میں پھرانہوں نے اپنے مکتوب (مرقومہ ۲۸/۴/۱۴۲۷ھ) میں لکھا ہے:

''عزیز میرے! میرا کہنا آپ مان لیں انشاء اللہ اس میں
آپ کا بہت فائدہ ہوگا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے''۔

یہ تذکرہ چھڑ ہی گیا ہے تو یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ اس کے چند ماہ بعد یعنی شوال ۱۴۲۷ھ میں حضرت حافظ صاحب کو جب غالباً حضرت والد ماجدؒ کے دوسرے خلیفۂ مجاز جناب قطب الدین ملا صاحب کے ذریعہ معلوم ہوا کہ یہی ذمے داری میرے شیخ ومرشد حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم نے بھی اس عاجز وناتواں کے کندھوں پر ڈال دی ہے، تو حضرت حافظ صاحب نے اس پر بہت خوشی کا اظہار کیا اور مزید دعاؤں سے نوازا۔

محترم قارئین کرام! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان نیک بندوں کی امیدوں کی لاج رکھ لے، اس عاجز وناکارہ کو کام کا بنادے اور کچھ کام لے لے۔ آمین

اس مضمون کو لکھنے بیٹھا ہی تھا کہ ایک حدیث نبوی کی طرف ذہن منتقل ہوا،

جیسے حضرت والد ماجدؒ نے مسند احمد، سنن، ترمذی اور سنن ابن ماجہ کے حوالے سے ''معارف الحدیث'' کی جلد دوم (کتاب الرقاق و کتاب الاخلاق) میں نقل فرمایا ہے۔اس حدیث میں ایک قابل رشک بندے کی جو صفات رحمت دو عالم ﷺ نے بیان فرمائی ہیں، اس عاجز کا یہ احساس ہے کہ حضرت حافظ صاحب کو توفیق الٰہی نے ان میں سے وافر حصہ عطا فرما دیا تھا۔حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

''حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

میرے دوستوں میں بہت زیادہ قابل رشک میرے نزدیک وہ مومن ہے جو سبک بار (یعنی دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے بہت ہلکا پھلکا) ہو نماز میں اس کا بڑا حصہ ہو اور اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ اور صفت احسان کے ساتھ کرتا ہو اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اس کا شعار ہو اور یہ سب کچھ اخفاء کے ساتھ اور خلوت میں کرتا ہو، اور وہ چھپا ہو اور گمنامی کی حالت میں ہو اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کئے جاتے ہوں، اور اس کی روزی بھی بقدر کفاف ہو اور وہ اس پر صابر و قانع ہو۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے چٹکی بجائی (جیسے کہ کسی چیز کے ہو جانے پر اظہار تعجب یا اظہار حیرت کے لیے چٹکی بجاتے ہیں) اور فرمایا جلدی آ گئی اس کو موت، اور اس پر رونے والیاں بھی کم ہیں اس کا ترکہ بھی بہت تھوڑا سا ہے''

حضرت حافظ محمد اقبال صاحبؒ کے حالات زندگی سے جو تھوڑی بہت واقفیت اس عاجز کو ہے اس کی روشنی میں گمان غالب بلکہ یقین ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اپنے قریبی دوستوں میں سے بھی جس کو ''سب سے زیادہ قابل رشک'' کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے اور اس کے جو اوصاف ذکر فرمائے ہیں ہمارے حافظ صاحب کو فیاض ازل نے بڑی فیاضی کے ساتھ وہ اوصاف عطا فرمائے تھے، اللہ اللہ کیسی قابل رشک تھی حضرت حافظ صاحب کی زندگی! مبارک ہو! ہزار مبارک ہو!!!

حضرت حافظ صاحب کی دلی تمنا تھی کہ آخر دم تک قرآن کی خدمت میں مشغولی نصیب رہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ تمنا پوری کر کے دکھائی، ۲۵؍رجب المرجب ۱۴۲۹ھ (۲۹؍جولائی ۲۰۰۸ء) کی دوپہر تک کافی سخت بیماری اور تکلیف کے باوجود خدمت قرآن ہی میں مشغول رہے یہاں تک کہ جب بیٹھا نہ گیا تو درجہ ہی میں لیٹ گئے اور طلبہ کا قرآن سنتے رہے۔بعض دیکھنے والوں نے بھی یہ بتایا کہ اس دن قرآن سنتے جاتے تھے طلبہ عزیز کو دیکھتے جاتے تھے اور آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے، دوپہر کے بعد طبیعت زیادہ بگڑی، مغرب بعد ڈاکٹروں اور گھر والوں کے اصرار پر اسپتال لے جایا گیا، اگلے دن ۲۶؍رجب (۳۰؍جولائی) کی دوپہر تقریباً ۱ بجے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے بعد نماز عشاء حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی ہزاروں کی تعداد نماز جنازہ میں شریک تھی، علماء حفاظ بہت بڑی تعداد میں موجود تھے۔۲۷؍رجب کی بابرکت رات میں تقریباً ۱۲ بجے کے قریب جیسے ہی تدفین کا عمل مکمل ہوا آسمان سے ہلکی ہلکی پھوار برسنی شروع ہوگئی جس سے نہ کسی کے کپڑے تر ہو رہے تھے نہ زمین گیلی ہو رہی تھی، بہت سے لوگوں کی زبان پر اس وقت بے ساختہ یہ شعر جاری ہو گیا ؎

آسماں تری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

الوداع حافظ صاحب الوداع! اللہ آپ کو اپنا قرب خاص عطا فرمائے اور ہم پسماندگان کو توفیق دے کہ وہ اسی راہ پہ چلیں جس پر آپ اور آپ کے اکابر و اسلاف چل کر اپنی منزل تک صحیح سلامت پہنچ گئے آمین ثم آمین۔

(بحوالہ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ)

• • •

ایک قابل رشک زندگی

مولانا محمد عظیم خاں ندوی صاحب
استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

موت ایک حقیقت ہے جو یقیناً ہر ایک کو آتی ہے اور آئے گی، ایک وقت ہوتا ہے کہ انسان اس دنیا میں آتا ہے پلتا ہے، بڑھتا ہے اور جوان ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے اپنی طے شدہ زندگی کی مدت پوری کر کے اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے لیکن کامیاب انسان وہ ہے جو یہاں اپنا نقش چھوڑ جاتا ہے۔ اپنے اوقات کی قدر کرتا ہے پورے احتساب کے ساتھ انہیں آخرت میں کام آنے والے امور میں صرف کرتا ہے۔ اللہ کی یاد میں شب وروز کے لمحات گزارتا ہے اور پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو انجام دیتا ہوا رب کائنات کے حضور پیش ہو جاتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے ”كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ“۔

حافظ محمد اقبال صاحبؒ جو ابھی اس دنیا سے رخصت ہوئے اور اچھی عمر پائی، وہ اللہ کے مخلص، برگزیدہ اور پابند اوقات بزرگوں میں تھے جنہوں نے اپنی زندگی کو اللہ کی امانت سمجھا، خوشی، غمی، صحت وبیماری، سفر وحضر اور جوانی وبڑھاپا الغرض زندگی کے ہر مرحلہ میں معمولات کے پابند رہے، مدرسہ کے ہر کام کو اپنا نجی کام سمجھا اور بہر صورت اسے انجام دیا۔ ایک مدت تک ندوہ میں شعبۂ تحفیظ القرآن کی ذمہ داری سنبھالی، طلوع فجر سے رات کے سونے تک طلبہ کو جگانا، پڑھانا اور وقت پر سلانا ان کا معمول تھا، دنیا کے جھمیلوں سے رخ موڑے ہوئے اور اپنی مفوضہ ذمہ داری کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے، اقوال الناس سے بے پرواہ اپنے کام میں مشغول، یہ تھے حافظ محمد اقبال صاحب مرحوم

جو آج ہمارے درمیان نہیں رہے، انا للہ وانا الیہ راجعون.

ایک مرتبہ حافظ صاحب مرحوم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (علی میاں صاحبؒ) سے ملاقات کرنے تکیہ کلاں رائے بریلی تشریف لے گئے غالباً چاشت کے وقت رخصت ہونے اجازت مانگی حضرتؒ نے فرمایا شام کو چلے جایئے گا اب تعلیم کا وقت گزر چکا ہے، عرض کیا حضرت دوپہر میں بچوں کو سلانا ہے، یہ تھا ذمہ داری کا احساس جس کا آج فقدان ہے۔

۱۹۱۱ء میں گونڈہ شہر کے قریب ایک گاؤں کرم ڈیہہ میں پیدا ہوئے، والد کا نام عبداللہ تھا، اپنے وطن میں مڈل اسکول کی تعلیم مکمل کر کے ۱۹۳۳ء میں مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ آئے اور قاری عبدالمالک صاحب کے درجہ میں داخل ہوئے حافظ صاحب مرحوم کے بہت قریبی عزیز قاری عبدالوہاب صاحبؒ اس درجہ کے معاون مدرس تھے اس طرح انہوں نے قاری عبدالوہاب صاحبؒ سے بھی کسب فیض کیا اور دونوں حضرات سے حفظ کی تعلیم حاصل کی، ۱۹۳۴ء میں جب قاری عبدالوہاب صاحبؒ گونڈہ عمائدین شہر کے اصرار پر چلے آئے اور یہاں انہوں نے مسجد منیہاران چوک میں مدرسہ فرقانیہ کی داغ بیل ڈالی تو ایک ماہ گزرنے پر انہوں نے اپنے بہنوئی حافظ صاحب مرحوم کو اپنے پاس بلالیا، ۱۹۳۶ء میں جب حافظ صاحب مرحوم نے قاری صاحب مرحوم سے حفظ قرآن مکمل کیا تو انہوں نے اسی سال حافظ صاحب مرحوم کو بحیثیت استاذ اپنے مدرسہ میں رکھ لیا ابتداءً انہیں ناظرہ قرآن پاک کا درجہ دیا گیا جس کو انہوں نے بڑی محنت سے پڑھایا اور ان کے درجہ کا نتیجہ سب سے اچھا رہا اور دوسرے سال بھی ان کی محنت وکارکردگی ممتاز ونمایاں رہی تو اراکین مدرسہ کے اصرار پر انہیں درجہ حفظ دیدیا گیا، جناب کی محنت ولگن سے درجہ حفظ کا معیار بہت اونچا ہو گیا، دور دور تک مدرسہ کی شہرت ہوئی اور طلبہ آئے۔ قاری عبدالوہاب

صاحبؒ کی زندگی تک حافظ صاحب کی دلچسپی اور حوصلہ روز افزوں ترقی پر رہا لیکن ان کے انتقال کے بعد اس میں فرق آگیا جو انہیں راس نہ آیا اور قاری صدیق احمد صاحبؒ سے ملنے کی غرض سے باندہ کا سفر کیا وہاں جاتے ہوئے لکھنؤ میں اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا منظور صاحب نعمانیؒ کے پاس تبلیغی مرکز کی مسجد میں قیام کیا اور اپنے شیخ سے اپنی بے چینی کا اظہار کیا انہوں نے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے ان کی سفارش کر دی اور ۱۹۵۶ھ میں انہیں دار العلوم ندوۃ العلماء میں رکھ دیا گیا اور شعبۂ حفظ قائم کر کے اس کی ذمہ داری انہیں دیدی گئی جب تک یہاں رہے پورے اخلاص سے کام کیا درجہ کے ہر کام کو اپنا نجی کام سمجھا اور اس شعبہ کو بام عروج تک پہنچایا۔

حضرت مولانا منظو صاحب نعمانی سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے ہوئے انہوں نے حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ اور حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے بڑی گہری عقیدت اور ارادتمندانہ تعلق قائم رکھا ان بزرگوں کا احترام ان کے نقش قدم کی پیروی ان کا سرمایۂ حیات تھا، ان بزرگان دین کو بھی ان سے گہرا تعلق تھا اور یہ ان کے معتمد علیہ تھے۔

۱۹۷۴ء میں جب مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں حافظ صاحب مرحوم کی شدید ضرورت محسوس کی گئی تو حضرت مولاناؒ سے اجازت لے کر دوبارہ وہاں گئے اور مدرسہ کے اہتمام کی ذمہ داری ان کے کاندھوں پر ڈال دی گئی ان کے وہاں پہونچتے ہی مدرسہ کا نظام تعلیم و تربیت مستحکم ہوگیا، انتظامی امور درست ہوگئے اور تعمیرات کے میدان میں مدرسہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرنے لگا دیکھتے ہی دیکھتے مدرسہ کی خستہ حالت و جرجر عمارتیں دومنزلہ عالیشان بلڈنگ میں تبدیل ہوگئیں مدرسہ کے قریب ایک وسیع قطعہ آراضی اس کے حدود میں شامل کی گئی اسی طرح ایک کشادہ و عریض اور شاندار جامع مسجد نے پورے شہر میں مدرسہ کا وقار بحال کیا۔

مدرسہ میں کم وبیش ۳۳ سال مہتمم رہے، طلبہ ہوں یا اساتذہ ہر ایک سے ہمدردی

و خیر خواہی اور ان کی خبر گیری، عام اساتذہ کی طرح درجہ میں پابندی سے حاضری بلکہ دوسروں کے لئے نمونہ اپنے درجہ کے بچوں کا سبق وآموختہ سنتے ہوئے اہتمام کے جملہ امور کی انجام دہی، دوران تعطیل قرب وجوار اور دور دراز کے علاقوں میں دعوتی و دینی اسفار مالیات کی فراہمی کے لئے دینی درد رکھنے والے اہل خیر حضرات سے رابطے قائم کرنا اور انہیں شکریہ کے خطوط لکھوانا اور ملک وبیرون محض مدرسہ کے لئے سفر کرنا، یہ تھے حافظ صاحبؒ کے مشاغل جن میں وہ دن رات لگے رہتے۔

میں ۱۹۷۱ء کے اواخر میں ندوہ آیا چہارم عربی میں داخلہ ہوا، حافظ صاحب مرحوم سے ملاقات ہوئی اور ہوتی رہی جب بھی ملتے کوئی نصیحت کی بات کہتے قاری محمد اقبال صاحب عرف قاری پٹن صاحب جو ان کی سرپرستی میں تھے اور مدرسہ میں شعبہ حفظ کے استاذ ہیں میرے ہم زلف ہیں ان کے یہاں جب جانا ہوتا حافظ صاحب سے ضرور ملاقات کرتا بڑی شفقت ومحبت سے ملتے اور زندگی میں کام آنے والی بڑی مفید باتیں بتاتے۔

عمر تقریباً ستانوے سال پائی بڑھاپے کی پوری مدت جوانوں کی طرح بلکہ ان سے بہتر گزاری، آخری سانس تک قرآن کی خدمت کرتے رہے اور مدرسہ کی ترقی کیلئے ساعی وکوشاں رہے ان کے داماد مولانا عبدالحفیظ صاحب نے بتایا کہ حافظ صاحب مرحوم اپنی وفات سے ایک دن پہلے تک مدرسہ آتے رہے، انہیں تنفس کی شکایت پہلے سے تھی، اپنی بیماری، کمزوری اور بڑھاپے کے باوجود اپنے معمولات اور مدرسہ کے کام بڑی تندہی اور جانفشانی سے انجام دے رہے تھے کہ ۲۸؍ جولائی بروز دوشنبہ سہ پہر ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی کھانے کے بعد تھوڑی قے ہوئی جس میں کھانے کے ساتھ کچھ خون آگیا فوراً ڈاکٹر سے رجوع کیا گیا تو انہوں نے کہا گھبرانے کی کوئی بات نہیں اچھے ہو جائیں گے دوا دیا جس سے قدرے آرام ہوا لیکن بے چینی وتکلیف برابر رہی

جب خدمت گزار طلبہ انہیں قرآن کریم پڑھ کر سناتے تو انہیں آرام ملتا اور سکون حاصل ہوتا۔ ۲۹/ جولائی اور سہ شنبہ کی صبح درجہ میں آئے بچوں کا سبق سننا شروع کیا تھوڑی دیر کے بعد لیٹ گئے، اضمحلال وکمزوری بڑھتی رہی پھر بھی ہمت کر کے نماز وقت پر پڑھتے رہے خدام کے اصرار کے باوجود اسپتال جانے سے کتراتے رہے نماز مغرب مدرسہ کے چبوترے پر ادا کی اس کے بعد مدرسہ کے اساتذہ انہیں باصرار نرسنگ ہوم لے گئے جہاں اہتمام سے ان کا علاج شروع ہوا ضرورت پڑنے پر مصنوعی آکسیجن انہیں دی گئی کوششیں ہوتی رہیں عقیدت منداحباب اعزہ واقربا طلبہ واساتذہ سبھی انہیں راحت وآرام پہونچانے کی فکر میں ڈوبے، بھاگ دوڑ اور سعی کرتے رہے لیکن وقت پورا ہو چکا تھا تقدیر الٰہی کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ وقت آخر قریب آتا گیا اللہ کا بندہ اللہ کی یاد میں ڈوبتا رہا اور ڈوبتا گیا سرہانے وآس پاس قرآن کریم کی تلاوت ہوتی رہی کہ اسی ماحول میں حافظ صاحب مرحوم ۳۰/ جولائی ۲۰۰۸ء سہ شنبہ بوقت ظہر ایک اور سوا ایک بجے کے درمیان اپنے رب سے جا ملے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

اسی دن عشاء کے بعد نماز جنازہ ہوئی جانشین مفکر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے نماز جنازہ پڑھائی، گونڈہ شہر واطراف شہر اور قریبی اضلاع کے عقیدت مند جو پہنچ سکے پہنچے ندوہ سے پوری ایک بس گئی اور بے شمار لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے مدرسہ سے قریب محلہ میواتیان کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(تعمیر حیات لکھنؤ)

• • •

یادِ رفتگاں

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی
سابق نائب مدیر "تعمیر حیات" لکھنؤ

۲۷/ رجب المرجب کو ایک بزرگ شخصیت اور قرآن مجید کی کئی دہائیوں سے خدمت کرنے والی ہستی حافظ محمد اقبال صاحب نے انتقال کیا۔ وہ ایک مخلص خادم دین تھے، قرآن مجید سے ان کو بڑا ہی لگاؤ تھا، باکمال اساتذہ سے یہ فن انہوں نے سیکھا اور پھر انہوں نے اس سے دوسروں کو مستفید کیا، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درجات حفظ کا آغاز ہوا تو وہ اس کے ذمہ دار قرار دیئے گئے ان سے دارالعلوم میں استفادہ کرنے والوں کی بڑی تعداد موجود ہے جن میں ایک جماعت وہ بھی ہے جس نے علم وفضل میں بھی بڑی ترقی کی اور نام پیدا کیا۔

حافظ صاحب نے لمبی عمر پائی اور الحمد للہ صحت کے ساتھ پائی، چلتے پھرتے دنیا سے رخصت ہوئے آخری دور بھی مشغولیت کا دور اور قرآن مجید میں مشغولیت کا گذرا، راقم کی دو سال قبل ملاقات جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ کے اجلاس کے موقع پر ہوئی تھی مسجد میں بیٹھے تھے اور شفقت ومحبت کے ساتھ پیش آرہے تھے۔

حافظ صاحبؒ کو تین مشائخ سے شروع سے بڑا نیاز مندانہ تعلق رہا حضرت مولانا عبدالباری ندوی خلیفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا منظور نعمانی وحضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب سے باقاعدہ بیعت بھی ہوگئے تھے اور سلوک کے منازل ان کی ہی سرپرستی میں طے کئے، اور انہی کے مجاز بیعت بھی ہوئے، حضرت مولانا عبدالباری صاحب کی خدمت میں انہوں نے حاضری کا اپنے لکھنؤ کے پورے قیام میں نظام

بنا رکھا تھا اور ان کو حافظ صاحب سے ایسی مناسبت پیدا ہوگئی تھی کہ اپنی تجہیز وتکفین اور غسل وغیرہ دینے کے لئے ان کا نام تجویز کیا، مدرسہ فرقانیہ گونڈہ منتقل ہوجانے پر وہ ان کے مدرسہ بھی ایک سے زائد بار تشریف لے گئے اور تھانوی ذوق سے مدرسہ کا معائنہ فرما کر جو اعتراف درج رجسٹر کیا، وہ حسب ذیل ہے:

''بہت زیادہ متاثر ہوا، استادوں اور کارکنوں کے اخلاص اور بے تکلف طالب علمانہ زندگی سے ہوا، سب ہی خادم کوئی مخدوم نہیں اور چھوٹے بڑے طالب علم بھی اس رنگ میں رنگے جا رہے ہیں ایک بہت مسنون عادت یہ ڈال رکھی ہے کہ سب اوّل وقت عشاء بعد سوجاتے ہیں اور سحر کے وقت اٹھ جاتے ہیں، پڑھنے کا وقت بہت ہی تر وتازہ اور یکسوئی کا مل جاتا ہے، پھر خود سحر خیزی کی دولت کا کیا کہنا، بہتوں کو معلوم ہوا کہ اپنی رغبت سے تہجد کا ذوق وشوق رکھتے ہیں۔ ماشاء اللہ وبارک اللہ۔'' (عبدالباری)

حافظ صاحب نے اسی مدرسہ فرقانیہ سے فراغت حاصل کی تھی، ان کے استاد قاری عبدالوہاب صاحب جو بڑے مخلص اور باخدا لوگوں میں تھے اس مدرسہ کے بانی تھے۔ حافظ صاحب کو اپنے جلیل القدر استاد کی نیابت بھی حاصل ہوئی اور ان کے بعد اس ادارہ کو انہوں نے بڑی ترقی دی، حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ فرماتے ہیں:

''اس مدرسہ کے فارغین اور مدرسین میں سے حافظ محمد اقبال صاحب خاص امتیاز رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے اس مدرسہ میں بھی بڑا کام لیا ہے، اس کے بعد کارکنان ندوۃ العلماء کی درخواست اور مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے حکم

وایماء سے وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آگئے اور دارالعلوم کے شعبۂ حفظ کی بنیاد انہیں کے ہاتھوں پڑی۔ اس نے اس قدر جلد ترقی کی اور کامیابی حاصل کرلی کہ اس کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا اور اہل نظر وتجربہ نے اس کی کامیابی کا اعتراف کیا، مدرسہ فرقانیہ کے حالات کا جس کا ان پر سب سے زیادہ حق تھا، طے ہوا کہ وہ اس مدرسہ کو اپنی توجہ کا مرکز بنائیں اور وہاں مستقل قیام کریں چنانچہ ہم لوگوں کی اجازت سے وہاں منتقل ہوگئے۔ الحمدللہ انہوں نے اس مدرسہ کو سنبھال لیا اور اس کو جلد ترقی کے راستہ پر ڈال دیا۔''

(ماخوذ از تعارف مدرسہ ہٰذا)

اس طرح اپنی پوری زندگی قرآن حکیم کی خدمت میں لگانے والی یہ ہستی بھی ہمارے بیچ نہیں رہی، جس نے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کا صحیح استعمال کیا۔ ندوۃ العلماء سے جانے کے باوجود ان کا اس سے تعلق کمزور نہیں پڑا، آخر میں اس تعلق کا اظہار اس طرح ہوا کہ انہوں نے نماز جنازہ کے لئے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کو زحمت دینے کی وصیت کی اور وہ اچانک اس افسوسناک سانحہ کی خبر سن کر فوری طور پر گونڈہ کے لئے روانہ ہوئے جس سے ان کی ندوہ کے ہی ایک اہم پروگرام تک میں شرکت غیر یقینی اور پھر ناممکن ہوئی۔ اور ایک بڑے مجمع نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات وصفات کو قبول فرما کر درجات بلند سے بلند فرمائے۔ آمین

(سہ ماہی 'تعمیر افکار' رائے بریلی)

• • •

وفات حسرت آیات

حضرت حافظ محمد اقبال صاحبؒ

مہتمم: مدرسہ فرقانیہ گونڈہ یوپی

چودھری محمد معظم قاسمی

فلم سٹی روڈ ملا (ایسٹ) ممبئی، ۹۷۔

شیخ طریقت استاذ الاساتذہ حافظ محمد اقبال صاحب نے داعی اجل کو لبیک کہا

آج ۳۰؍ جولائی ۲۰۰۸ء بمطابق ۲۶؍ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ ڈیڑھ بجے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ (یوپی) کے مہتمم، مولانا منظور احمد نعمانیؒ صاحب کے خلیفہ ومجاز بیعت حافظ محمد اقبال صاحبؒ نے ۹۷؍ سال کی عمر میں مختصر علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

تدریسی خدمات تقریباً ۷۵؍ سالہ طویل عرصہ پر محیط ہیں۔ حفظ سے فراغت کے بعد متصلاً نوعمری ہی میں آپ مدرسہ فرقانیہ میں شعبۂ حفظ کے استاذ مقرر ہوئے۔ پھر کچھ سالوں کے بعد حضرت مولانا ابوالحسن علی میاںؒ ندوی کے اصرار پر آپ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شعبۂ حفظ میں تدریسی خدمات اور اس کے انتظام وانصرام میں سالوں مشغول رہے۔ بقول حضرت مولانا علی میاںؒ:

''ندوۃ العلماء میں شعبۂ حفظ کا قیام وترقی حافظ صاحب ہی کی مرہونِ منت ہے۔''

بانی مدرسہ فرقانیہ حضرت قاری عبدالوہابؒ صاحب کی رحلت کے کچھ سالوں بعد مدرسہ کو ایسے مہتمم کی تلاش ہوئی جو کہ بھرپور انتظامی صلاحیت کے ساتھ ہی اخلاص وللّٰہیت میں بھی یگانۂ روزگار ہو۔ شوریٰ کی نگاہ آپ پر پڑی اور حضرت مولانا علی میاںؒ سے بصد اصرار مدرسہ فرقانیہ کے مسند اہتمام کو زینت بخشنے کے لیے حافظ محمد اقبال صاحب کو بھیجنے کی درخواست کی۔ جس پر حافظ صاحب مدرسہ فرقانیہ میں تشریف لے آئے۔ تقریباً چالیس سال تک اہتمام سنبھالنے کے ہم رشتہ شعبۂ حفظ میں نہایت ہی پابندیِ اوقات کے ساتھ تدریسی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔

آپ نہایت ہی متقی، پرہیزگار اور شب زندہ دار تھے۔ مشرقی یوپی میں حفظ کی ترویج واشاعت میں آپ کا وافر حصہ ہے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے جو اطرافِ عالم میں دینی وملی اور سماجی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

پسماندگان میں اہلیہ اور ۲؍ بچیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کے پسماندگان وجملہ اہالیان ووابستگانِ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کو صبر جمیل اور نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

جملہ منتسبین ومتوسلین سے حافظ صاحب کی ترقی درجات کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

• • •

ایک حکیم مدبر دردمند مصلح کی رحلت

ڈاکٹر محمد سلمان خان صاحب ندوی
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عرب کلچر ممتاز پی.جی. کالج لکھنؤ

یہ خبر نہ صرف اہالیان گونڈہ ومشرقی یوپی بلکہ پورے ملک پر بجلی بن کر گری ایک بلند مرتبت مصلح ومربی، قوم وملت کے ہمدرد وغمگسار حافظ محمد اقبال مہتمم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ ۳۰؍جولائی ۲۰۰۸ء بوقت ایک بجے دن ۹۶ سال کی عمر گذار کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

حافظ محمد اقبال ضلع گونڈہ کے ایک مضافاتی گاؤں کرم ڈیہہ (بگی روڈ) میں پیدا ہوئے آپ کے والد ایک معمولی کسان تھے، ابتدائی تعلیم وتربیت علاقہ ہی میں ہوئی تھوڑی ہی دنوں میں آپ کا تعلق مصلح وقت قاری عبدالوہاب سے ہوگیا۔ جو علم وعمل کے پیکر تھے ذکر اللہ آپ کی روح تھی۔ اخلاص وللہیت آپ کی شان امتیازی تھی آپ صبر وعزیمت کے پہاڑ تھے۔ چنانچہ حافظ محمد اقبال نے آپ ہی کی نگرانی میں اپنی تعلیم شروع کی۔ یہ آپ ہی کی نظر تھی کہ حافظ اقبال کو اپنے سے جدا ہونے نہ دیا اور علم وعمل اخلاص وللہیت جیسے بلند پایہ صفات کا نہ صرف حامل بلکہ داعی بنا دیا اور آپ کو علوم قرآن کریم کی خدمت کا ایسا محور دیا جس پر چل کر حفاظ کلام پاک کی

پوری ایک نسل تیار کردی جو نہ صرف ہندوستان بلکہ برصغیر ایشیا افریقہ اور امریکہ تک پر محیط ہے۔ حافظ اقبال نے اپنے خاندان کو ان جاہلانہ رسومات وبدعات سے آزاد کرایا جو دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں کی نتیجہ میں ملک کے طول وعرض میں پھیل گئی تھیں اللہ کا فضل ہے کہ حافظ اقبال کی دینی حمیت اور کوشش کے نتیجہ میں وہ بدعات مشرقی یوپی کے گاؤں گاؤں اور محلّہ محلّہ سے ختم ہوتی چلی گئیں۔

جیسا کہ اوپر کی تحریر سے یہ واضح ہوگیا کہ آپ کے شاگرد اور کسب فیض حاصل کرنے والے حضرات لاتعداد ہیں چندے نمایاں شاگرد ایسے ہیں جنہوں نے مختلف اداروں سے وابستہ ہو کر آپ کی تحریک خدمت قرآن کو آگے بڑھایا ان میں بعض حضرات بین الاقوامی شہرت کے حامل ہوئے۔ مثلاً مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی اور مولانا سلمان الحسینی آپ دونوں ہی کا میدان علوم قرآن ودعوت دین ہے بیرون ہند سے آپ کی نمایاں شاگردوں میں حافظ ابرہیم پٹیل (افریقہ) حافظ عزیز ندوی (دبئی) حافظ عبداللہ (مکہ مکرمہ) حافظ عرفان (کینیا) قرآن کریم سے وابستہ ہو کر مرکزی اسلامی دانش گاہوں میں آپ کے تلامذہ میں بالخصوص مولانا عبدالتواب مرحوم مولانا عبدالرب، مولانا عبدالحفیظ، حافظ عبدالمنان، حافظ عبدالحلیم، حافظ محمد خلیل، وغیرہ جیسے ہزاروں تلامذہ اساتین علم وفن شمار کئے جاتے ہیں۔ حافظ محمد اقبال زندگی میں قرآن کریم کی تلاوت اور اس کا انہماک اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ سفر وحضر میں کبھی بھی تہجد کی نماز تک قضا نہ ہوتی تکبیر اولی کا اہتمام اور لوگوں کو اس کی تلقین یاد دہانی کا اہتمام حد درجہ تھا۔ آپ اس معمول کو کبھی بھی نہ توڑتے اور بڑے ہی پابندی سے اس کا اہتمام فرماتے۔ ہندوستان کے متعدد شہروں میں آپ کے رفیق سفر مولانا ابوبکر کا بیان ہے کہ کبھی ان کی تہجد کی نماز قضا نہ ہوئی اور نہ ہی کوئی نماز بلا جماعت آپ پڑھتے بلکہ تکبیر اولیٰ کا بھی حد درجہ اہتمام فرماتے اور دوران سفر تلاوت کلام اللہ کے معمولات

میں کوئی فرق نہ پڑتا۔

حافظ محمد اقبال کا مقصد حیات دین الٰہی کی اشاعت اور توحید وسنت کی حمایت و حفاظت تھی آپ کرب و بے چینی کے عالم میں پوری ملت کے لئے خدا کی حقیقی پرستاری کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ ہمیشہ اپنے پیرو مرشد مولانا منظور نعمانی سے مشورہ کرتے حقیقت یہ ہے کہ دور حاضر کے ہمہ جہت خدمات انجام دینے والے بزرگان دین کی فہرست میں حضرت مولانا منظور نعمانی مرحوم اور حضرت مولانا علی میاں کا نام سرفہرست آیا ہے۔ آپ حضرات نے اسلام وجاہلیت کے مابین جاری معرکوں کی نئی سمتوں نئی حیثیت اور نئے رویوں کا بغور مشاہدہ کیا۔ انگریزی سامراج کے ہاتھوں ہندو مسلم دشمنی کا کاشت کردہ بیج کو تناورخت اور برگ و بار لاتا ہوا دیکھا۔ ملک کی آزادی پھر اس کی تقسیم خون مسلم کی ارزانی دیکھی نبوت محمدی پر قادیانیت کی یلغار دیکھی۔ لہٰذا اسے صلاحیت و ذہانت کی نگاہ سے دیکھا۔ ایمان و یقین سے اس کا تجزیہ کیا اور پھر زندگی بھر سرگرم عمل رہنے کے لئے کمر کس لی۔ چنانچہ حافظ محمد اقبال نے انہیں دونوں حضرات سے مسلسل رابطہ رکھتے ہوئے دین حنیف کی ترجمانی اور ملت اسلامیہ کے صحیح خطوط پر تربیت کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا۔

ان سطور میں حافظ اقبال کی زندگی کے ہلکے نقوش پر ایک نظر پڑتی ہے۔

چونکہ کاتب سطور کا نسبی تعلق حافظ اقبال سے ہے اور آپ کے مفید اور قیمتی مشوروں سے زندگی کے نقوش طے کرنے میں ایک حد تک مدد بھی لی ہے تعلیم کے سلسلے میں نانا صاحب کا ایک اہم ہی اصول تھا کہ تعلیم اعلیٰ حاصل کی جائے اور انہماک و یکسوئی پیدا کی جائے، نیز وقت کی قدر کی جائے منظّم اصول پر زندگی کو لگا دیا جائے والد ماجد جن کی شفقت و محبت کے سایہ میں رہ کر کاتب سطور نے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے کسب فیض کیا اور پھر لکھنؤ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ تک کی تعلیم مکمل کی۔ اس

دوران نانا صاحب سے ہمیشہ مفید اور علمی مشورہ لیتا رہا۔ نانا صاحب کو ہمیشہ اس کی فکر دامن گیر رہتی کہ ملک کے طول و عرض میں مساجد و مکاتب کا جال بچھا دیا جائے اور خدمت قرآن کریم کا یہ محور انہیں مساجد و مکاتب سے فروغ پائے۔ آپ کے کلام اللہ شریف نے انہماک اور حد درجہ شغف کی مثال صرف اسی بات سے سمجھی جاسکتی ہے کہ آپ ہمیشہ قرآن مجید کے حلقہ درس میں اسی نیت سے جاتے کہ میری روح پرواز ہوتو قرآن کی تلاوت اور ذکر کے ساتھ اور اللہ کا ذکر کرنا ایسا ہوا کہ آپ ۲۹ ر جولائی بعد نماز ظہر درجہ میں حاضر ہوئے۔ چند بچوں کے اسباق سنے و ہیں مرض شدت پکڑ گیا۔ آپ کو قریبی نرسنگ ہوم لے جایا گیا جہاں ۳۰ ر جولائی ۲۰۰۸ء بوقت ایک بجے دن دار فانی سے کوچ کیا اور آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

(بحوالہ اگست ۲۰۰۸ء جدید مرکز لکھنؤ)

• • •

حافظ محمد اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ

چند تاثرات

مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب قاسمی
استاذ حدیث مدرسہ فرقانیہ گونڈہ

ولادت و تعلیم

حافظ صاحب کی پیدائش موضع کرم ڈیہہ میں ہوئی جو شہر گونڈہ سے شمال میں تقریباً ۱۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، تاریخ پیدائش بسیار کوششوں کے باوجود نہیں مل سکی، البتہ ان کی زندگی اور خدمات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان کی پیدائش بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے وسط میں ہوئی۔

حافظ صاحب نے ناظرہ قرآن شریف اور ابتدائی تعلیم مقامی مدرسہ میں حاصل کی، مڈل کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد حفظ قرآن کریم کے لیے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں داخل ہوئے جہاں حضرت مولانا قاری عبدالوہاب صاحب سے شرف تلمذ حاصل ہوا، حضرت قاری صاحب ایک بہترین استاذ، مربی، خلوص ووفا کے پیکر قانع وخوددار، ہمدرد، خیرخواہ اور تجوید قرآن کے داعی تھے، استاذ کا فطری اثر

شاگرد پر پڑا اور وہ خود ان اوصاف جمیلہ کو لے کر اٹھے، حافظ صاحب کی شخصیت سازی ظاہری وباطنی صلاح، صلاحیت کو نکھارنے، پروان چڑھانے، ان کے اندر اسلامی حمیت و دینی غیرت پیدا کرنے اور ان کو قرآن عظیم کا گرویدہ بنانے میں حضرت قاری صاحبؒ کا نمایاں کردار رہا ہے۔

حافظ صاحبؒ نے قرآن شریف کا ایک معتد بہ حصہ لکھنؤ میں حفظ کرلیا تھا، پھر جب ۱۹۳۴ء میں مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کی بنیاد رکھی گئی تو حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ حافظ صاحب بھی گونڈہ آگئے اور یہیں حفظ کی تکمیل کی۔

درس وتدریس

حافظ صاحبؒ کی تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ فرقانیہ گونڈہ سے ہوا، جب حافظ صاحبؒ نے قرآن شریف کا حفظ مکمل کرلیا تو انہیں پہلے ناظرہ پھر شعبۂ حفظ میں استاذ منتخب کرلیا گیا، یہ غالباً ۱۹۳۶ء یا ۱۹۳۷ء کی بات ہے۔ ۱۹۵۵ء تک یہیں رہ کر مسلسل تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، ۱۹۵۶ء میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی دعوت پر دارالعلوم ندوۃ العلماء چلے گئے، جہاں شعبۂ تحفیظ القرآن الکریم کی بنیاد رکھی، اور اس کے پہلے استاذ منتخب ہوئے، ۱۹۷۴ء تک بڑی محنت وجانفشانی تن دہی اور کامیابی کے ساتھ پڑھایا، شعبۂ حفظ کے ننھے سے پودے کی آبیاری کرکے اس کو تناور درخت بنایا۔

پھر جب ۱۹۷۴ء میں مدرسہ فرقانیہ کے لئے حافظ صاحب کی خدمت کی ضرورت محسوس کی گئی، حافظ صاحب نے اپنے مرشد و مصلح حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ سے مشورے کے بعد اپنی مادر علمی کی آواز پر لبیک کہا، اس کے زمام اہتمام کو سنبھالا اور کامیابی کے ساتھ چلایا، بہت جلد اس کو معمول پر لے آئے

بلکہ اس میں ایک تازگی پیدا کردی، ایک روح پھونک دی پہلے سے مزید فعال بنادیا، یہ حافظ صاحب کی جدوجہد، خلوص نیت، حسن انتظام اور کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ مدرسہ فرقانیہ قرآن کی تعلیم کے حوالے سے مشرقی یوپی کا سب سے نیک نام اور نمایاں ادارہ تسلیم کیا جاتا ہے، آج صرف شعبہ حفظ میں سولہ درجات قائم ہیں اور بچوں کی تعداد چارسو سے زائد ہے شعبۂ عربی، قرأت اور پرائمری اس کے علاوہ ہیں۔

عبادت وشب بیداری

حافظ صاحبؒ ایک کامیاب وباصلاحیت استاذ اور بہترین منتظم ہی نہیں تھے وہ ایک عبادت گذار اور شب زندہ دار بھی تھے، عبادت وریاضت، تقوی وپرہیزگاری میں سلف صالحین کا بہترین نمونہ نیز بزرگوں اور اہل اللہ کے اخلاق وعادات کا پرتو تھے۔ اکابر علماء نے اس کا اعتراف کیا ہے بچپن سے نماز باجماعت کے پابند تھے، تکبیر اولیٰ کا خاص اہتمام کرتے، کوشش یہی ہوتی کہ تکبیر اولی چھوٹنے نہ پائے اور مدرسہ میں رہتے ہوئے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تکبیر اولیٰ چھوٹی ہو۔ نماز کے پابند ہی نہیں بلکہ خوگر تھے سفر ہو یا حضر ان سے نماز قضا نہیں ہوتی تھی سفر میں جیسے ہی نماز کا وقت ہوا اور جہاں ہوا ٹرین ہو یا اسٹیشن ہو یا بس اڈہ، وہیں وضو کیا اور مصلّی بچھا کر نماز شروع کردی، سفر میں وہ احتیاطاً مٹی کے ڈلے رکھ لیتے، جہاں پانی دستیاب نہیں ہوتا تیمّم کرکے نماز پڑھ لیتے لیکن قضا نہ ہونے دیتے، شب بیداری کا خاص خیال رکھتے تہجد کی نماز کبھی نہیں چھوٹتی تھی، ان کے رفقاء سفر کا بیان ہے کہ سفر میں ان سے تہجد قضا نہیں ہوتی تھی، ۱۸؍سال کی عمر سے زندگی کے آخر لمحات تک تہجد کی نماز کی پابندی کرتے رہے اور آہ سحر گاہی وصبح خیزی سے روحانی لطف اٹھاتے رہے کیونکہ ع

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے سحر گاہی

سلوک وتصوف

سلوک وتصوف، تزکیہ نفس اور باطنی اصلاح وتطہیر کے لیے حافظ صاحب نے سب سے پہلے خط وکتابت کے ذریعے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے تعلق قائم کیا، اس کے بعد حضرت مولانا ضرغام الدین صاحب سے تعلق قائم کیا جو حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور معتمد خاص تھے ان کے انتقال کے بعد مشہور عالم دین، بلند پایہ محدث، صاحب طرز مصنف، ولی کامل، پیر طریقت اور مصلح امت حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ سے وابستہ ہوگئے، حافظ صاحب حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ کو صرف اصلاحی باطنی اور تزکیہ نفس کے تعلق سے اپنا قدوہ اور پیشوا نہیں سمجھتے تھے بلکہ دینی، اصلاحی، مذہبی علمی اور انتظامی تمام معاملات میں انہیں سے مشورہ لیتے اور عمل کرتے، حضرت مولانا کی خصوصی توجہ نے حافظ صاحب کی عملی زندگی میں مزید نکھار پیدا کردیا تھا، حافظ صاحب بھی دو ہی حضرات کو اپنا سب سے زیادہ ہمدرد خیر خواہ، مصلح ومربی مانتے تھے، ایک اپنے استاذ محترم مولانا قاری عبدالو ہاب صاحبؒ اور دوسرے حضرت مولانا نعمانیؒ صاحب کو۔

حضرت مولانا نعمانی صاحبؒ کو حافظ صاحب کے اخلاص، تقویٰ پرہیز گاری اور امانت ودیانت پر بہت اعتماد تھا چنانچہ انہوں نے اپنی نماز جنازہ کے لیے جن تین حضرات کے نام وصیت کی تھی ان میں حافظ صاحب شامل تھے، اور غسل کے لیے صرف حافظ صاحب کے نام کی وصیت تھی، وصیت کے مطابق غسل حافظ صاحب نے ہی دیا تھا، جب کہ نماز جنازہ عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب نے پڑھائی تھی۔

اس کے علاوہ حافظ صاحب نے وقت کے اکابر امت، مشائخ طریقت اور

بزرگان دین سے روحانی اصلاح، تزکیہ نفس اور اکتساب فیض کیا، اپنے وقت کے ولی کامل حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کی خدمت عالی میں حاضر ہوئے اوران کے میخانہ تصوف سے بادہ کشی کی، حافظ صاحب بزرگوں سے بہت تعلق رکھتے، ان کا تہہ دل سے احترام کرتے، ان سے ملاقات کے لیے وقت نکالتے کئی کئی میل علماء دین اور بزرگوں سے ملاقات کے لیے پیدل چلے جاتے تھے، یہ انہی بزرگوں اور اللہ والوں کی دعاؤں اور اور توجہات کی برکت تھی اور خود ان کی حسن طلب کا ثمرہ کہ حافظ صاحب اس بلندی پر پہنچے۔

سادگی و بے تکلفی

حافظ صاحب کے اوصاف جمیلہ میں سے سادگی و بے تکلفی کا وصف نمایاں تھا، وہ سادہ زندگی گزارنے کے عادی تھے، بننے سنوارنے اور عمدہ کپڑے زیب تن کرنے کا کوئی شوق نہ تھا، جو میسر ہوا وہی پہن لیا، عظمت شان کے باوجود کبھی اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کی، نہ ان کے یہاں کوئی تڑک بھڑک تھی، اور نہ تصنع اور بناوٹ، تکلفات سے ان کی طبیعت گریز کرتی، جلسے جلوس سے نہ ان کو مناسبت تھی اور نہ رسمی تقریبات واجتماعات میں شرکت کرتے، ان چیزوں میں وہ اپنی روح کی تشنگی کا سامان نہیں پاتے تھے، سادگی اور کفایت شعاری کا یہ عالم تھا کہ اس آخری عمر میں بھی وہ پسنجر ٹرین سے جنرل ڈبے میں بلا کسی جھجھک کے سفر کرتے اوراسی میں وہ راحت محسوس کرتے، ابھی تین چار مہینے پہلے کی بات ہے حافظ صاحب، مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب کے یہاں تشریف لے گئے تھے میں بھی لکھنؤ گیا تھا، واپس آرہا تھا، بادشاہ نگر اسٹیشن پر ملاقات ہوئی، حافظ صاحب لکھنؤ۔ گونڈہ پسنجر کے انتظار میں تھے، کہنے لگے بھائی یہ ٹرین بہت سستی ہے صرف بیس روپے

میں جو رکشہ کا کرایہ ہے پہنچا دیتی ہے صبح آتی ہے شام واپس ہو جاتی ہے اس سے سبق کا نقصان نہیں ہوتا ہے، میں اکثر اسی سے آتا جاتا ہوں، عزیزم سجاد میاں اصرار کررہے تھے کہ انٹرسٹی سے ریزرویشن کروادیں، لیکن مجھے وہ پسند نہیں ہے میں نے انکار کردیا، جب میں آرام سے بیس روپے میں پہنچ جاؤں گا تو زیادہ دینے کی کیا ضرورت ہے؟

قناعت واستغناء

مال ودولت کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے لیکن موجودہ دور خالص اقتصادی برتری کا دور ہے، آج پوری دنیا سیم وزر کے محور پر ناچ رہی ہے، ہر شخص مال ودولت کے پیچھے بھاگ رہا ہے، اس ہوس سیم وزر کے سیلاب میں پہاڑ بھی بہتے نظر آرہے ہیں، اور بڑے بڑوں کے قدم پھسل رہے ہیں، لیکن اقتصادی برتری کے اس گرما گرم ماحول اور سیم وزر کے سیلاب رواں میں حافظ صاحب کے پایۂ استقامت میں کوئی جنبش نہیں آئی، وہ مال ودولت سے بہت بے نیاز و مستغنی تھے، قناعت ان کی طبیعت میں رچ بس گئی تھی، چنانچہ حافظ صاحب اس دنیا سے اس حال میں گئے کہ ان کے نام نہ کئی منقولہ، نہ ان کے نام کوئی بینک بیلنس اور نہ ہی ان کا کوئی ذاتی مکان، مدرسہ کے مکان میں کرایہ پر زندگی گزاردی، اپنے لئے ذاتی مکان نہیں بنوایا، زندگی کے آخری لمحات تک معمولی سی تنخواہ پر گزربسر کیا۔

البتہ حافظ صاحب جذبہ خیر خواہی و ہمدرد خوب رکھتے تھے، وہ مجبوروں کی مدد کرنا اپنا شیوہ اور فرض سمجھتے تھے، اگر یہ سمجھتے کہ میرے کہنے پر کسی مجبور کی مدد، کسی کمزور کا تعاون ہو جائے گا تو اس کے لیے دوسرے سے درخواست کرنے میں کوئی عار اور جھجھک نہیں محسوس کرتے تھے بلکہ ضرور تعاون کی درخواست کردیتے، ابھی چند

مہینے پہلے کی بات ہے کہ ایک صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی اور تکلیف کچھ زیادہ ہو گئی ،ظہر کی نماز پڑھ کر ڈاکٹر عبید محمود صاحب جارہے تھے ،حافظ صاحب کے اثبات میں جواب دیا پھر حافظ صاحب نے اپنی جیب سے کچھ روپے نکالے اور ڈاکٹر صاحب کو دینے لگے کہ یہ انہیں دیدینا، بھائی وہ مجبور ہیں ، بہت نیک ہیں اور قرآن شریف بہتر پڑھتے ہیں (اگر حافظہ خطا نہ کررہا ہو تو الفاظ یہی تھے) ڈاکٹر صاحب اتنے حساس اور زیرک آدمی ، وہ کیوں کر حافظ صاحب سے اپنے ہاتھ میں لیتے اور ان صاحب کو دیتے ؟ وہ سمجھ گئے کہ حافظ صاحب کی خواہش یا اشارہ ہے کہ مریض کی کچھ مدد ہونی چاہئے ،اگر آپ سے ہو سکے تو کردیجئے۔

قرآن سے محبت

حافظ صاحب کو قرآن عظیم سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی ،قرآن سے ان کا تعلق عشق کے درجہ تک تھا بہت کثرت سے قرآن کی تلاوت کرتے جب بھی کوئی موقع ملتا تلاوت شروع کردیتے ،قرآن کی تلاوت ان کی روحانی غذا تھی ،قرآن کو پڑھے اور سنے بغیر انہیں ایک قسم کا اضطراب رہتا ، جب بھی انہیں کوئی بے چینی اور تکلیف محسوس ہوتی تو وہ قرآن کی تلاوت میں لگ جاتے یا درسگاہ میں طلبہ سے قرآن سنتے وہ فرمایا کرتے تھے کہ درسگاہ میں قرآن پڑھنے اور سننے سے مجھے دلی سکون اور قلبی راحت ملتی ہے وہ اس آخری عمر اور معذوری کی حالت میں جب گھر سے وہیل چیئر پر مسجد میں جاتے تو ہاتھ میں قرآن شریف ہوتا ، پڑھتے ہوئے جاتے ۔

قرآن شریف کی تدریس وتعلیم کو عام کرنا، گھر گھر پہونچانا ،مسلمان کے بچہ بچہ کو قرآن کی صحیح تعلیم دینا ان کی زندگی کا نصب العین تھا ،انہوں نے اپنی پوری زندگی اس کے لیے وقف کردی ، وہ قرآن مجید کو تجوید کے قواعد کی پابندی کے ساتھ

مگر تکلف اور تصنع کے بغیر پڑھنے کی عادت ڈالنے کے زبردست داعی تھے ،لوگوں کو اس کی تاکید کرتے اور ترغیب دیتے ،اس میدان میں حافظ صاحب بہت کامیاب بھی رہے ۔مشرقی یوپی کا شاید ہی کوئی خطہ ایسا ہو جہاں فرقانیہ کے تربیت یافتہ حفاظ قرآن عظیم کی خدمت نہ کررہے ہوں ۔

حافظ صاحبؒ کو اللہ کی ذات اور اس کے کلام سے اس قدر عقیدت ومحبت نے دوسروں کی نظر میں محبوب بنادیا تھا، جو اللہ سے محبت کرتا ہے اللہ اس سے محبت کرتا ہے اور مخلوق کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں ، ورنہ حافظ صاحب کیا تھے؟ نہ وہ عالم وفاضل تھے ، نہ مفکر ودانشور اور نہ ہی مصنف ومحقق ،اس کے باوجود وہ لوگوں کے نور نظر رہے ،ان کی پسند رہے ۔ یہ اللہ سے تعلق اور اس کے کلام سے عقیدت ومحبت کی برکت ہے ۔

وقت کی پابندی

حافظ صاحبؒ وقت کے بہت پابند تھے ، ہر کام اس کے وقت پر کرتے ،امور مفوضہ میں نہ خود تاخیر وکوتاہی برداشت کرتے ،اسباق اور تعلیمی اوقات میں تو خاص طور سے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بغیر کسی معقول عذر کے تاخیر ہوئی ہو ، بلکہ ہمیشہ درسگاہ میں آدھا گھنٹہ بیس منٹ پہلے تشریف لاتے ،میرا تین سالہ مشاہدہ ہے میں نے ہمیشہ ان کو دیکھا کہ گھنٹہ شروع ہونے سے پہلے درسگاہ میں آتے کم از کم اس میں حافظ صاحب اس دور میں سب سے نمایاں تھے ،منصب اہتمام پر فائز ہوتے ہوئے اسباق اور تعلیمی اوقات کی پابندی ایک مدرس سے کہیں زیادہ کرتے تھے ، موجودہ دور میں کسی کو ایسا نہیں پایا جو منصب اہتمام پر فائز ہو اور چھ گھنٹے سے زیادہ اوقات پابندی کے ساتھ درسگاہ میں لگاتا ہو۔

حالیہ چند سالوں کو چھوڑ کر جب حافظ صاحب بہت کمزور ہو گئے تھے، ان کا معمول تھا کہ تہجد کی نماز پڑھ کر طلبہ کو بیدار کرتے اور درسگاہ میں بیٹھ جاتے، فجر کی نماز کے بعد بھی درسگاہ میں بیٹھتے، طلبہ کو صرف ناشتے کے لیے چھٹی دیتے خود ناشتہ درسگاہ میں کرتے، اسباق واوقات کی پابندی نے حافظ صاحب کو ایک کامیاب اور مقبول ترین استاذ بنادیا تھا، منصب اہتمام کی ذمہ داریوں سے حافظ صاحب کی تدریس میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا جب کہ اکثر ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ منتظمین کی تدریس متاثر ہوجاتی ہے۔

آج حافظ صاحبؒ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن ان کی خدمات ہمیشہ یاد کی جاتی رہیں گی۔ رب کریم حافظ صاحب کو غریق رحمت کرے۔ ان کی قبر کو نور سے بھر دے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، ان کے مشن خدمت قرآن کو جاری رکھے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

خاتمہ بالخیر

حافظ صاحب کا کافی عرصہ بلند فشار خون اور تنفس کی شکایت، جس کی وجہ سے کبھی کبھی تکلیف اور بے چینی بڑھ جاتی تھی، لیکن طبیعت بہت جلد سنبھل جاتی اور حسب معمول پڑھنے پڑھانے میں لگ جاتے، اس مرتبہ کچھ ایسا ہی رہا، لوگ بہت مطمئن تھے کہ حافظ صاحب بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گے، لیکن ۲۹ر جولائی کو بعد نماز مغرب آکسیجن کی کمی محسوس کی گئی تو آشیرواد نرسنگ ہوم داخل کیا گیا آکسیجن دینے کے بعد حافظ صاحبؒ کو کوئی خاص افاقہ نہیں ہوا، بلکہ طبیعت میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہا، اس کیفیت کو دیکھتے ہوئے اعزا واقارب، شہر کے معززین مدرسہ کے اساتذہ وطلبہ کی آمد ورفت کا سلسلہ پوری رات جاری رہا، اور ڈاکٹر سنجے کے علاوہ ڈاکٹر محمد

صادر، ڈاکٹر محمود عالم اور ڈاکٹر عبید محمود ایک بجے شب تک نرسنگ ہوم میں رہے اور وقفہ وقفہ سے دیکھتے رہے، کچھ افاقہ ہوا لیکن خاطر خواہ نہیں، پھر صبح کے بعد طبیعت نہیں سنبھلی، وقت موعود آچکا تھا نوشتہ تقدیر پورا ہو چکا تھا جو ایک منٹ کے لیے آگے پیچھے نہیں ہوتا، اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ، بالآخر اس دنیائے رنگ وبو میں نوے سے زائد بہاریں گذار کر ۳۰ر جولائی بروز بدھ سوا بجے دن میں آخری سانس لی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

حافظ صاحب کے انتقال کی خبر عام ہوتے ہی شہر میں ایک کہرام سا مچ گیا، تعزیت اور آخری دیدار کے لیے لوگوں کا تانتا بندھ گیا قرب وجوار کے اضلاع کے عوام اور مدارس کے نمائندے اُمڈ پڑے۔ جنازہ میں ایک زبردست عوامی سیلاب تھا، نماز جنازہ بعد نماز عشاء (۹٫۳۰) عالم اسلام کے معروف عالم دین حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء وصدر مسلم پرسنل لا بورڈ نے پڑھائی۔ لوگوں نے نمناک آنکھوں، غمگین دلوں، اداس چہروں اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے حافظ صاحب کے جسد خاکی کو ان کی آخری آرام گاہ گلاب شاہ تکیہ میں پہنچا دیا۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(ماہنامہ الفرقان لکھنؤ)

• • •

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب قاسمی
استاذ مدرسہ بیت العلوم بہرائچ

باقی رہنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اس دنیا کی ہر شخصیت خواہ وہ کتنی دلکش، کتنی پُر بہار، کتنی نغمہ بار اور کتنی دل آویز و دل افروز ہو بالآخر اُسے ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا ہے، آگے پیچھے کا فرق ضرور ہے، لیکن انسان کی غفلت کا یہ عالم ہے کہ وہ اس سامنے کی حقیقت کو ہمیشہ نظر انداز کر کے اس کائنات اور اس میں پائی جانے والی رنگینیوں سے اس طرح دل لگا بیٹھتا ہے، جیسے اس کو بقائے دوام کی کوئی ضمانت مل گئی ہے حالاں کہ "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ" اور "لَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ" کے قرآنی ارشادات کا کوئی کٹر سے کٹر دہریہ بھی انکار نہیں کرسکتا، لیکن عملی زندگی میں یہ مسلم حقیقت ہماری نظروں سے اس طرح اوجھل رہتی ہے جیسے یہ کوئی حقیقت ہے ہی نہیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ اب تک اس پر یقین کر لینے کو دل آمادہ نہیں ہوتا ہے کہ ہمارے مشفق مربی، محسن و مکرم، استاذ الاساتذہ حضرت الحاج حافظ محمد اقبال صاحبؒ اس دارفانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ "اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ اللّٰھم اکرم نزلہ ووسع مدخلہ وابدلہ دارا خیرا من دارہ، واھلا من اھلہ ونقہ من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس و بلغہ الدرجات العلیٰ من الجنۃ آمین" بلاشبہ حافظ صاحبؒ اس دور میں قرآن عظیم کا زندہ معجزہ تھے ان کے اوصاف و کمالات کو اگر ان آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا تو صرف لوگوں کے کہنے سے یقین آنا مشکل تھا، ان کے سراپا، ان کی اداؤں اور ان

کے انداز زندگی میں جو زہد و تقویٰ جھلکتا نظر آتا تھا اس نے نہ صرف اپنوں کو بلکہ غیروں کو بھی متاثر کیا حافظ صاحبؒ نے ۱۹۱۲ء میں مشرقی یوپی کے مشہور ضلع گونڈہ کے ایک قصبہ کرم ڈیہہ کے ایک دینی گھرانہ میں آنکھیں کھولیں، والد صاحب عبداللہ بہت ہی نیک صفت مرد تھے صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے والدہ صاحبہ بھی بہت سے اوصاف حمیدہ کی مالک تھیں خصوصاً سخاوت میں انتہائی مشہور تھیں دادیہال و نانیہال دونوں جگہ دینی ماحول تھا، خصوصاً نانا وغیرہ کا تعلق اپنے دور کے اکابر اہل اللہ سے تھا، حافظ صاحبؒ پر بھی ان تمام اوصاف کا رنگ چڑھا، حافظ صاحبؒ بچپن ہی سے انتہائی ہونہار تھے، مڈل تک کی تعلیم ہلدہر مئو میں حاصل کی، اس کے بعد ۱۹۲۴ء میں حفظ قرآن کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے باقاعدہ حضرت قاری عبدالوہاب صاحبؒ اور قاری عبدالمالک صاحبؒ کی شاگردی حاصل کی، قاری عبدالوہاب صاحبؒ بانئ مدرسہ فرقانیہ کو حافظ صاحب سے والہانہ تعلق تھا اور وہ حافظ صاحبؒ پر خصوصی توجہ فرماتے تھے شاید اسی تعلق اور توجہ کا نتیجہ تھا کہ قاری صاحب کی ہمشیرہ حافظ صاحبؒ کے ساتھ منسوب ہوئیں۔

بہرحال حافظ صاحبؒ نے آٹھ سال کی مدت میں حفظ قرآن کی سعادت حاصل کر لی، ۱۹۳۱ء میں حافظ صاحبؒ قرآن عظیم کی خدمت شروع کی جو کہ زندگی کے آخری ایام تک انتہائی مخلصانہ انداز میں کرتے رہے، اگر ان کی زندگی کا نقشہ مختصر الفاظ میں بیان کیا جائے تو بلا کسی مبالغہ کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی پوری زندگی قرآن عظیم میں رچی بسی ہوئی تھی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی منقول دعاؤں میں ایک دعا اس طرح منقول ہے۔ واسالک باسمک الذی استقر بہ عرشک ......ان ترزقنی القرآن العظیم و تخالطہ بلحمی و دمی و سمعی و بصری و تستعمل بہ جسدی (اے اللہ میں آپ کے نام کے واسطے سے جس سے آپ کا عرش قرار پذیر ہے سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے قرآن عظیم عطا فرمائیں اور

اسے میرے گوشت میرے خون میری سماعت میری بصارت میں رچا دیں اور میرے جسم کو قران ہی میں استعمال فرمائیں) ایسا معلوم ہوتا حافظ صاحبؒ نے کبھی یہ دعا دل سے مانگی تھی، جو ان کے حق میں قبول ہوگئی ان کی زبان تو تقریباً ہر وقت قرآن عظیم کی تلاوت سے تروتازہ رہتی تھی، ان کی سوچ ان کے قلب وذہن اور فکر وخیال کا محور قرآن کریم ہی تھا، بس فکر ہر وقت یہ تھی کہ قرآن عظیم کی تعلیم اور نشر واشاعت کا بہتر سے بہتر کون سا طریقہ اختیار کیا جائے بلا شبہ یہ تمام محنتیں اور کاوشیں ان کے حق میں صدقہ جاریہ ہوں گی، حافظ صاحبؒ نے کسی وجہ سے ۱۹۵۳ء میں فرقانیہ چھوڑ کر باندہ قاری صدیق صاحبؒ کے یہاں جانے کا ارادہ فرمایا لکھنؤ مرکز والی مسجد میں مولانا علی میاں صاحبؒ مولانا معین اللہ صاحبؒ سے ملاقات ہوگئی، ان دونوں بزرگوں نے حافظ صاحبؒ سے ندوۃ العلما لکھنؤ میں حفظ قرآن کی خدمت کرنے کے لئے درخواست کی اور بہت اصرار کیا، حافظ صاحبؒ اپنے شیخ مولانا منظور نعمانیؒ (جن سے ان کو خصوصی تعلق تھا اور بہت ہی عزت واحترام کی نگاہ سے ان کو دیکھتے تھے اور بعد میں حافظ صاحبؒ ان ہی کے خلیفہ بھی ہوئے) سے مشورہ کر کے ان کی ایما پر ندوۃ العلماء کے اندر حفظ قرآن کی داغ بیل ڈالی، تقریباً ۲۰ سال تک حافظ صاحبؒ انتہائی محنت و جانفشانی سے اس ادارے کی خدمت کرتے رہے ندوۃ العلماء کے ابتدائی شاگردوں میں مولانا عبدالحفیظ صاحب (جو حافظ صاحبؒ کے چھوٹے داماد اور فرقانیہ کے مایہ ناز استاذ ہیں) مولانا عبدالباری صاحب، حافظ عبدالمنان صاحبؒ، وغیرہ ہیں، ۱۹۷۴ء میں حافظ صاحب کو انتہائی اہم تقاضوں کی وجہ سے مدرسہ فرقانیہ کا مہتمم بنا کر دوبارہ لایا گیا، ابتدا میں عارضی طور پر بعد میں مستقل طور پر حافظ صاحب مہتمم قرار پائے اور ۳۵ سال تک اس عہدے پر فائز رہتے ہوئے فرقانیہ کے لئے وہ خدمت انجام دی جس کی تفصیل کے لئے ضخیم کتاب درکار ہے مختصراً یہ کہ حافظ صاحب کے آنے کے وقت فرقانیہ

میں حفظ کے صرف دو درجے تھے اور اب بحمد للہ حافظ صاحب کی محنت وتوجہ سے ۱۶ درجے ہیں اسی طرح عربی کی تعلیم ہدایت النحو تک تھی جو اب بحمد للہ جلالین شریف تک جا پہنچی ہے، اور حافظ صاحب کی محنت سے فرقانیہ حفظ قرآن کا ایک ایسا تناور درخت بن چکا ہے، جس کی تازگی اور ہریالی ہندوستان ہی نہیں بیرون ممالک تک پہنچ گئی ہے، آج فرقانیہ کا موجود بڑا عملہ عظیم الشان عمارتیں پرشکوہ مسجد سب حافظ صاحب کی انتھک محنت وکوشش کا ثمرہ ہے اس پیرانہ سالی اور عوارض مسلسل کے باوجود مدرسہ کے مفاد کے لئے اسفار کرنا حافظ صاحب کا پسندیدہ عمل تھا، اس کے لئے ہر تکلیف وصعوبت کو بہت ہی مزے لے لے کر بیان فرماتے رہتے تھے، عبادت وریاضت کا یہ عالم تھا کہ ۱۶ سال کی عمر سے تہجد کی پابندی نصیب ہوئی جو اخیر تک قائم رہی سفر وحضر کبھی اس سے محرومی نہیں ہوتی تھی ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ نوافل کی پابندی اس درجہ تھی کہ اشراق، چاشت وغیرہ ایسا معلوم ہوتا کہ ان کی فرض نمازیں ہیں خوف وخشیت کا یہ عالم تھا کہ اکثر قرآن عظیم پڑھتے ہوئے، سنتے ہوئے نیز دعاؤں میں زار وقطار رویا کرتے تھے۔

کعبۃ اللہ کی زیارت کے بہت ہی عاشق تھے، اکثر تلبیہ اور مخصوص دعائیں بڑے درد بھرے انداز میں پڑھتے تھے جس سے سامعین پر گریہ طاری ہو جاتا تھا، امانت ودیانت اور تقویٰ وپرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ کی رقم کو سانپ سے تعبیر کیا کرتے تھے، اور یہ صرف زبانی ہی نہیں تھا بلکہ اس میں حد درجہ احتیاط بھی کرتے تھے ذمہ داری کے ایسے پابند تھے کہ تہجد کی نماز کے بعد ہی سے اسباق سننے لگتے تھے حتیٰ کہ ناشتہ بھی درسگاہ میں تہجد کے بعد کیا کرتے تھے، سادگی کا یہ عالم تھا کہ ہر عمل سے اس کی جھلک نظر آتی تھی، شان استغنا ایسی کہ اپنے لئے کوئی ذاتی مکان تک نہیں بنایا، مدرسہ کے ایک قدیم مکان کو اپنی قیام گاہ بنا رکھا تھا قرآن عظیم کی ایسی محنت کہ انتقال کے دن بھی اسی کی دھن سوار تھی اور یہ جملہ تو ایک ناقابل انکار حقیقت بن چکا تھا کہ مجھے درسگاہ میں پہنچنے

کے بعد ہر بیماری سے شفا مل جاتی ہے ادھر کئی سالوں سے پے در پے بیماریوں واعذار نے ان کو گھیر رکھا تھا لیکن اس کے باوجود ایسی قابل رشک خدمت انجام دے رہے تھے کہ لوگوں کو حیرت وتعجب ہوتی تھی، عام طور سے سانس پھولنے کی شکایت زیادہ رہتی تھی گزشتہ اتوار سے یہ تکلیف شدت اختیار کر گئی، ڈاکٹروں کے مشورے سے ان کو ہسپتال میں داخل کرایا گیا، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، انتہائی کرب وبے چینی کے عالم میں ہسپتال میں تقریباً ۲۰ گھنٹے گزارے اس درمیان میں جب ہوش آیا تو قرآن عظیم اور درسگاہ ہی کو یاد کیا اسی دوران سانس اکھڑنی شروع ہوگئی اور داعیٔ اجل کو لبیک کہنے کا وقت قریب آ گیا بالآخر علم وعمل کا یہ کوہ ہمالیہ (جس نے ۷۵ سال تک قرآن عظیم کی وہ خدمت انجام دی کہ اس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے، اور جس کے شاگردوں کی تعداد بلا مبالغہ ہزاروں کے قریب ہوگی جو ہندوستان کے علاوہ افریقہ۔ انڈونیشیا، ملیشیا، ترکی، سعودی عرب کے اندر خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں) افسوس کی یہ قابل رشک شخصیت اپنی عمر کی ۹۶ بہاریں دیکھنے کے بعد ۲۶/رجب المرجب ۱۴۲۹ھ بمطابق ۳۰/جولائی ۲۰۰۸ء بروز بدھ اس دنیا سے رخصت ہوگئی اناللہ وانا الیہ راجعون، اسی دن بعد نماز عشاء مدرسہ فرقانیہ کے وسیع وعریض صحن میں خواص وعوام کے ایک بہت بڑے مجمع نے حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ وناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ زید مجدہ کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی اور وہیں سے ایک کلومیٹر دور قبرستان گلاب شاہ تکیہ میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ اس مرد مجاہد کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور اس کو اس کی قابل رشک خدمات کا اپنی شایان شان اجر عطا فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، امت کو اور خصوصاً مدرسہ فرقانیہ حضرت حافظ صاحب کا نعم البدل مرحمت فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین۔ (بحوالہ ماہنامہ نور العلوم بہرائچ)

ایک مرد درویش کی زندگی کے چند نقوش

مولانا مفتی اسعد الدین صاحب قاسمی
استاذ حدیث وفقہ جامعہ محمودیہ اشرف العلوم کانپور

شعور کے روز اول ہی سے جن چند بزرگوں کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل رہا ہے ان میں ایک نام حضرت حافظ محمد اقبال صاحب کا ہے حضرت حافظ صاحب مشرقی یوپی کے ضلع گونڈہ کے ایک دیہات (کرم ڈیہہ) میں تقریباً ایک صدی قبل پیدا ہوئے۔ مڈل تک اسکول میں تعلیم حاصل کی پھر حفظ وتجوید قرآن کے لئے اولا مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں داخلہ لیا اور پھر ۱۹۳۴ء میں مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے قیام کے بعد گونڈہ چلے آئے اور یہیں حفظ وتجوید کی تعلیم مکمل کر کے اولاً ناظرہ اور پھر تحفیظ قرآن کی خدمت میں لگ گئے اور یہ سلسلہ زندگی کی آخری سانس تک جاری رہا۔ حضرت حافظ صاحب کی حیات وخدمات پر ماہرین ارباب قلم نے بہت کچھ لکھا اور لکھتے رہیں گے۔ راقم تو سطور ذیل میں ان اوصاف وکمالات کی نشاندہی کرنے کی کوشش کر رہا ہے جن کی وجہ سے کسان کے گھر میں پیدا ہونے والا ایک ضعیف وناتواں انسان مرجع العلما بن گیا اور محبوبیت ومقبولیت کا وہ مقام بلند عطا ہوا جہاں تک رسائی دور حاضر میں خال ہی خال کسی کی ہوتی ہے۔

قرآن مجید سے عشق

حضرت حافظ صاحب کو قرآن مجید پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے سے اس قدر عشق تھا کہ ہر وقت بے چین رہتے تھے سفر ہو یا حضر جب تک قرآن کریم کے تین پارے تلاوت نہیں کر لیتے تھے چین نہیں آتا تھا۔ عمر کے آخری حصہ میں جبکہ

مختلف امراض واعذار کے شکار تھے رات کو نیند نہیں آتی تھی ہر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد اٹھتے اور تلاوت شروع کردیتے۔ تنفس کی شکایت تھی ڈاکٹر اور گھر والے منع کرتے مگر کسی کی نہ سنتے تھے۔ حافظ صاحب کی قرآن سے دارفتگی اور شغف کا عالم یہ تھا کہ رات و دن کا بیشتر حصہ قرآن کی تلاوت وسماعت میں گزرتا تھا۔ تلاوت و خدمت قرآن کا جو ذوق حافظ صاحب کو ملا تھا کم از کم مجھے ایسا کہیں دیکھنے کو نہیں ملا۔ فجر کی اذان سے درجہ میں بیٹھ کر قرآن سننا شروع کردیتے تھے اور پورے دن تک یہ سلسلہ جاری رہتا تھا کھانا ناشتہ سب درجے میں ہوتا تھا اخیر عمر میں ضعف و بیماری کی وجہ سے اگر ڈاکٹر یا گھر والے درجہ میں بیٹھنے سے منع کرتے اور آرام کے لئے کہتے تو فرماتے کہ مجھے قرآن سننے میں بڑا مزہ آتا ہے اور جب میں درجہ میں پہنچ جاتا ہوں تو بڑا سکون ملتا ہے حافظ صاحب کی خواہش یہ تھی کہ وہ قرآن پڑھتے اور سنتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوں۔ اللہ نے ان کی یہ خواہش پوری کردی چنانچہ اپنی زندگی کے آخری دن بھی باقاعدہ دونوں وقت درجہ میں بیٹھ کر طلبہ کا قرآن سنا ہے۔

عبادات کا شغف

حضرت حافظ صاحبؒ کا سب سے بڑا اور قابل رشک وصف یہ تھا کہ وہ نماز انتہائی خشوع وخضوع اور بڑے سکون کے ساتھ پڑھتے تھے سفر وحضر میں آپ کے نما زکی کیفیت یکساں رہتی تھی تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز باجماعت کے بڑے پابند تھے، ایک نماز سے فراغت کے بعد دوسری نماز کا انتظار بڑی شدت کے ساتھ کرتے تھے آپ کا دل ہر وقت مسجد میں گویا اٹکا ہوا رہتا تھا، طویل اسفار کے باوجود آپ کی تہجد بھی قضا نہیں ہوتی تھی، اپنے متعلقین کو ہمیشہ نماز باجماعت کی تاکید فرماتے رہتے تھے آپ کی زبان سے مجدد الف ثانیؒ کا ملفوظہ بار بار سنا ہے کہ ”تمام عبادتیں وسائل نماز ہیں اور نماز مقاصد میں سے ہے“۔

وقت کی پابندی

حضرت کی شخصیت کا ایک اور نمایاں وصف ”وقت کی پابندی“ تھا جس نے ان کو عظمت ورفعت کے بلند مینار پر پہنچا دیا اور بڑوں کے نزدیک قابل قدر اور چھوٹوں کے لئے قابل رشک بنا دیا، وہ یہ کہ آپ وقت کے اس قدر پابند تھے کہ ہمیشہ وقت سے آدھا پون گھنٹہ پہلے ہی درسگاہ میں پہنچ جاتے تھے مدرسہ کی ضروریات یا دیگر دینی واصلاحی مقاصد کے لئے اگر سفر ناگزیر ہو جاتا تو اسکی ترتیب حتی لامکان ایسی بناتے تھے کہ مدرسہ کے اوقات میں ایک لمحہ کا بھی نقصان نہ ہو اور بسا اوقات اس کے لئے پسینجر ٹرین اور لوکل گاڑیوں کے تکلیف دہ سفر کی صعوبتیں بھی برداشت کر لیتے تھے حافظ صاحب کا یہ وصف تمام ملازم پیشہ بالخصوص اساتذہ مدارس کیلئے قابل تقلید ہے۔

جماعت کا اتحاد

حضرت حافظ صاحبؒ کو جماعت کا اتحاد بہت عزیز تھا اختلافات سے بہت گھبراتے تھے دسیوں مرتبہ راقم نے حافظ صاحبؒ کی زبان سے یہ جملہ سنا ہے کہ ”بھائی اختلاف سے ایمان چلا جاتا ہے“ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے ۳۳/سالہ دور اہتمام میں بارہا ایسے مواقع آئے جب آپ کے چھوٹوں نے بلکہ آپ کے سائیہ شفقت میں پلنے والوں اور آپ کے زیر تربیت نشو ونما پانے والوں نے آپ کے خلاف ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی اور آپ کی شان میں بہت سے نازیبا دھمکی آمیز جملے کہے مگر صبر وتحمل کے اس پہاڑ نے کبھی جواب دینے اور انتقام لینے کی کوشش نہیں کی بلکہ ایسے مواقع پر ہمیشہ سکوت اختیار کیا آپ کے سکوت وصبر کا نتیجہ ہے کہ مدرسہ فرقانیہ اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود آج بھی بحمد اللہ پوری شان کے ساتھ

چل رہا ہے، اور بہت سے تشنگان علوم وہاں سے سیراب ہو رہے ہیں۔

ہوا تھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے تھے انداز خسروانہ

ضرورت مندوں محتاجوں کی خبر گیری

حافظ صاحبؒ کی ایک اور بہت ہی اہم اور نمایاں خوبی یہ تھی کہ وہ ضرورت مندوں اور غریبوں کی خبر گیری فرماتے تھے مدرسہ کے اساتذہ وملازمین میں سے اگر کوئی ضرورت مند ہوتا تو آپ اس کے لئے پریشان ہو جاتے تھے حتی الوسع اسکی ضرورت خود پوری کرنے کی کوشش کرتے اور اگر ضرورت پڑتی تو اپنے متعلقین میں سے اہل خیر حضرات کو توجہ دلانے سے بھی دریغ نہیں فرماتے تھے غریب طلبہ اور پڑوسیوں کا خاص خیال فرماتے تھے، غریب طلبہ پریشان حالوں اور بیواؤں کی ایک لمبی فہرست ہوتی تھی جن کا مستقل تعاون حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے، اہل خاندان کی ضرورتوں کا بھی خاص خیال فرماتے تھے۔ اور کوئی مانگنے والی گھر آجائے تو اپنی چھوٹی صاحبزادی میری خوشدامن (میمونہ خالہ مدظلہا جنھوں نے آخیر کے تقریباً سترہ سال حافظ صاحب ہی کے پاس رہ کران کی بے مثال خدمت کی ہے اور حافظ صاحب کی بہت سی خوبیاں ان میں نمایاں طور پر جھلکتی ہیں) سے فرمایا کرتے تھے کہ بھائی اس کو کھانا ضرور کھلاؤ اور کھانا موجود نہ ہوتا تو پکوا کر کھلواتے تھے۔

اکابر سے تعلق ووابستگی

حضرت حافظ صاحبؒ کو قدرت نے نوجوانی ہی سے شعور واحساس عطا کیا تھا کہ اپنی تربیت واصلاح باطن کے لئے اللہ والوں سے تعلق ضروری ہے، چنانچہ عنفوان شباب ہی میں سب سے پہلے بذریعہ خط وکتابت حکیم الامت مجدد ملت

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ سے اصلاحی تعلق قائم کیا، ان کی وفات کے بعد مشرقی یوپی کے ایک صاحب دل بزرگ حضرت مولانا ضرغام الدین صاحبؒ سے تعلق قائم کیا اور پھر ترجمان اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نور اللہ مرقدہ سے وابستہ ہوئے اور اخیر دم تک وابستہ رہ کر تصوف وسلوک کے تمام مراحل طے کئے اور انہی سے خلافت واجازت بھی حاصل ہوئی۔

حضرت حافظ صاحبؒ کو جو اوصاف وخوبیاں قدرت نے عطا کیں تھیں ان کا احاطہ کرنا بظاہر مشکل ہے، سطور بالا میں آپ کی زندگی کے چند نمایاں نقوش کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ صلہ رحمی، مہمان نوازی، تواضع وانکساری، تلطف ورحم لی صداقت ووفا شعاری، تقویٰ وپرہیزگاری، امانت ودیانت داری جیسے اخلاق حسنہ سے بھی آپ آراستہ وپیراستہ تھے آپ کی زندگی کی ایک ایک ادا سنت کے مطابق تھی الغرض دین وقوم کا وہ سچا خادم، قرآن کا بے لوث عاشق ۹۵ سال کی قابل رشک زندگی گذار کر گذشتہ ۲۶/رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۰ جولائی ۲۰۰۸ء کو اپنے مالک حقیقی سے ملا) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا

اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کو اپنا قرب خاص عطا فرمائے آپ کی قبر کو نور سے بھر دے اور ہم پسماندگان کو صبر کی اور حافظ صاحبؒ کے نقوش پر چل کر زندگی کو کامیاب بنانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ سفیر حق کانپور)

• • •

یادوں کی کسک

محمد سعد خاں ندوی

یہ گناہ بے لذت ہے

میں ایک مرتبہ مطبخ سے دال لا رہا تھا، حافظ صاحبؒ حسب معمول گیٹ کے قریب تخت پر بیٹھے ہوئے تھے، میرا کمرہ (عارضی مہمانہ خانہ) بالکل گیٹ سے ملا ہوا تھا جیسے ہی میں قریب پہنچا حافظ صاحبؒ نے زور سے آواز دیکر کہا بھائی ادھر آؤ، میں سمجھا غالباً دال چیک کرنی ہوگی میں قریب گیا تو آپ نے کہا بھائی آپ کا پائجامہ ٹخنے سے نیچے ہے اسکو اوپر کیجئے اور یہ گناہ بے لذت ہے سوائے نقصان کے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

تین نعمتیں

ایک مرتبہ حافظ صاحبؒ سے ملاقات کیلئے کچھ لوگ آئے عصر بعد کا وقت تھا اور حافظ صاحبؒ گیٹ کے قریب تخت پر بیٹھے ہوئے تھے، بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی، بڑی دلچسپ باتیں ہو رہی تھیں اسلئے میں بھی قریب ہی کھڑا ہو گیا اور ہمارے بغل میں حافظ صاحب کے خادم خاص علاؤ الدین بھی کھڑے تھے، باتوں ہی باتوں میں حافظ صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی مجھے اللہ رب العزت نے دنیا میں تین چیزیں عطا کی ہیں وہ بھی صرف قرآن کی خدمت کی وجہ سے پہلی چیز اللہ نے ہماری عمر میں برکت کی اور صحت بھی عطا فرمائی دوسری چیز اللہ نے ہمیں خوب عزت دی اور تیسری نعمت اللہ نے ہمیں خوب مال دے کر بے نیاز رکھا۔

یہ باتیں حافظ صاحبؒ سے تعلق رکھنے والا ہر فرد بشر خود غور کر سکتا ہے کہ بیشک اللہ رب العزت نے حافظ صاحب کو ان تینوں نعمتوں سے نوازا تھا، تقریباً ۹۶ سال کے قریب عمر ہے اور الحمد للہ تمام نمازیں با جماعت مسجد ہی میں ادا فرماتے ہیں دوسری بات عزت تو تمام متعلقین اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، ماہر فلسفیات حضرت مولانا عبد الباریؒ ندوی جیسے جید عالم اسلام کی بارسوخ شخصیات آپ کے لئے ہمیشہ چشم براہ رہا کرتی تھیں اور پھر مولانا منظور احمد نعمانیؒ کے آپ خلیفہ اجل تھے تیسری چیز مال کی بے نیازی اور بے نیازی ایسی کہ پوری زندگی کرائے کے مکان میں گزار دی، اور اپنا ذاتی مکان بنانا بھی گوارہ نہ کیا۔

اندرون کعبہ نماز

حافظ صاحبؒ کو اللہ رب العزت نے دنیا میں تمام طرح کی نعمتیں عطا کی تھیں، ساتھ ہی ساتھ ایک اور خاص نعمت سے سرفراز کیا وہ اندرون کعبہ نماز کی توفیق ہے یہ حقیقت ہے کہ جس کا تعلق اللہ کی کتاب قرآن کریم سے جتنا گہرا اور مضبوط ہوگا، اتنا ہی اس کا تعلق اللہ اور اس کے گھر کعبۃ اللہ سے بھی وابستہ ہوگا، گویا کہ کتاب اللہ اور بیت اللہ دونوں لازم وملزوم ہیں، حضرت حافظ صاحبؒ کا کتاب اللہ سے جو تعلق تھا وہ سب جانتے ہیں قرآن کریم سے اس گہرے بلکہ عشق کی حد تک ہونے کی وجہ سے اللہ رب العزت نے آپ کو اندرون کعبۃ دوگانہ کی نعمت سے سرفراز کیا۔

قرآن کے دو عاشقوں کا تذکرہ

حضرت مولانا عبد اللہ حسنی ندویؒ اگست ۲۰۰۸ء میں ادارہ المعہد الاسلامی،

مانک مئو، سہارنپور کی ایک اہم اور پروقار تقریب میں قرآن کے دو عاشقوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ....ہمارے قاری ودود الحی صاحب ندوی تھے، بڑے اچھے مقرر تھے اور قاری اتنے اچھے تھے کہ جب پڑھتے تھے تو لطف آجاتا تھا، ایک جگہ میں ان کے ساتھ گیا، تو انہوں نے تلاوت فرمائی، طبیعت کھل گئی۔اور ابھی ہمارے حافظ اقبال صاحب کا انتقال ہوا ہے، اتفاق سے وفات سے پندرہ روز پہلے ان کے پاس ملنے چلا گیا، ندوہ میں انہوں نے ۲۰ سال پڑھایا ہے جب ملنے گیا تو میرا ہاتھ نہیں چھوڑ رہے تھے، پکڑ لیا بڑی محبت سے ملے اور کہنے لگے مولانا عبداللہ صاحب میری ۹۵ سال کی عمر ہے اور اب بھی ۱۴ گھنٹے پڑھتا پڑھاتا ہوں، اور الحمد للہ مجھے کوئی بیماری نہیں ہے، ۹۵ سال کا ہوں اور یہ قرآن کی برکت ہے۔ میں ان کو دیکھتا رہا ہاتھ پکڑے رہے، کہنے لگے میں صبح آجاتا ہوں ناشتے کی فکر نہیں ہوتی میرے لئے یہ ناشتہ اصلی ہے، بس آکر رات تک وہیں بیٹھا رہتا ہوں یہی میری غذا ہے، ابھی چند ہفتے پہلے انتقال ہوا ہے بہار کے سفر میں جانے والے تھے ٹھیک تھے لیکن وقت آگیا جب وقت آجائے تو آجاتا ہے، اطمینان سے چلے گئے، قرآن کا آدمی تھا، اطمینان سے چلا گیا قرآن کے الفاظ سے تعلق رکھنے والوں کا یہ حال ہے۔

نماز کی پابندی

احقر نے قیام فرقانیہ ۲۰۰۷ اور ۲۰۰۸ کے درمیان بارہا مشاہدہ کیا کہ بڑے حافظ صاحب شدید بیماری اور بدن میں طاقت نہ ہونے کے باوجود نماز میں شرکت کیلئے بے چین ہیں کہ سرور دو عالم ﷺ کو کسی بھی حالت میں وسعت کے باوجود نماز سے غیر حاضری گوارہ نہ تھی، لہٰذا وہیل چیئر کے سہارے مسجد میں پابندی سے حاضر

ہورہے ہیں اور حالت یہ ہے کہ آمد و رفت بھی آپ کے لئے سخت کلفت و مشقت کا باعث ہے لیکن یہ سب اس جذبہ شوق میں تھا کہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ بھی بیماری و ناتوانی کی حالت میں نماز میں ضرور شریک ہوتے تھے تو یہ بندہ عاصی کیوں نہ ہو، البتہ کبھی کبھی گھر پر بھی باجماعت نماز ادا کرلیا کرتے تھے، اخیر وقت میں شدید بیماری کی وجہ سے عشاء اور فجر گھر پر ہی جماعت کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔

۳۰ جولائی ۲۰۰۸ء کو آپ کا وصال ہوا لیکن نومبر ۲۰۰۷ء لکھنؤ کی شدید سردیوں میں بے انتہا کمزوری کے باوجود، عمر کے اخیر حصہ میں تہجد کی نماز ترک نہیں ہوتی ہے، بقول پروفیسر سید ضیاء الحسن رحمۃ اللہ علیہ۔ ۲۰۰۷ میں جب حافظ صاحب کا رات میں قیام میرے غریب خانے پر ہوا، اس وقت شدید سردیاں تھیں، وہ بے انتہا کمزور ہو چکے تھے عمر کا اخیر حصہ تھا اس وقت بھی انہوں نے تہجد کی نماز ادا کی۔

(ص ۱۷ نقوش پارینہ)

پیدا ہوں گے کہاں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس کہ تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

ذکر خیر

حافظ احمد الباری صاحب فرماتے ہیں ....والد صاحب حضرت مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ جن چند لوگوں سے متاثر اور بہت خوش رہے ان میں حافظ محمد اقبال صاحب دام اقبالہ سرفہرست ہیں حافظ صاحب مدظلہ العالی کو ان کے یہاں آنے اور ملنے کی ہر وقت اجازت تھی اپنی وصیت میں انہوں نے انتقال کے بعد غسل دینے کی وصیت حافظ صاحب مدظلہ العالی اور مولانا برہان الدین سنبھلی مدظلہ العالی اور نماز جنازہ حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ العالی کے لئے

فرمائی تھی وہ اللہ نے ان کی خواہش کے مطابق پوری فرمائی۔

(بحوالہ تجدید تعلیم وتبلیغ ص:۶، از احمد الباری)

اس زمانے کے اہل اللہ

حضرت مولانا منظور نعمانیؒ ایک خط میں مولانا حسان نعمانی صاحب مدظلہ کو لکھتے ہیں کہ ”کم سے کم تین باتوں کا عزم کرلو(۱) مسجد سے تعلق (۲) جو دینی شخصیتیں میری معذوری کی وجہ سے گھر پر آتی ہیں مثلاً حضرت مولانا علی میاں مدظلہ، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب اور حافظ محمد اقبال صاحب جیسے حضرات جو اس زمانے میں اہل اللہ میں سے ہیں اور وہ سب ہی حضرات جو دین کی نسبت سے میرے پاس آتے ہیں ان کے ساتھ حسن تعلق۔

(بانی الفرقان نمبر ص:۳۶۳، اشاعت خاص: ۱۹۹۸ء)

یادگار شعبۂ حفظ کا قیام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے دور نظامت کی یادگاروں میں سے ایک یادگار شعبۂ حفظ کا قیام بھی ہے، حافظ محمد اقبال صاحب اس شعبہ کے ذمہ دار مقرر کئے گئے تھے۔ جب شعبۂ حفظ میں حافظ اقبال صاحب کو ایک معاون کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے اپنے سعادت مند شاگرد حافظ حشمت اللہ کو بلایا۔

ص:۱۸۹ ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

رشحات قلم امین الدین شجاع الدین

اللہ کے ولی حافظ محمد اقبال نے غسل دیا

حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کو آخری غسل بھی مولانا کے چہیتے حافظ محمد اقبال صاحبؒ نے گونڈہ سے آکر دیا جس کی وصیت حضرت مولانا نے دوسال پہلے محفوظ

کرادی تھی۔

ہیڈنگ کچھ یوں ہے اخبار کی ”کلمہ توحید کی گونج میں حضرت مولانا منظور نعمانی کو ابدی آرام گاہ میں سلادیا گیا۔

اللہ کے ولی حافظ محمد اقبالؒ نے غسل دیا اور عارف باللہ قاری محمد صدیق نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(1997- 5-6 روزنامہ اِن دنوں لکھنؤ)

صاحب نسبت بزرگ

اس کے بعد مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں داخل ہوکر حفظ قرآن کی تکمیل فرمائی۔ آپ کے تحفیظ القرآن کے استاد مشہور صاحب نسبت بزرگ حافظ محمد اقبال صاحب نوراللہ مرقدہ ہیں۔

مقالات ومضامین دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا معزالدین گونڈوی

از مفتی ریاست علی قاسمی، رام پور

• • •

نذر اقبال

محمد شفقت علی ندوی کاوشِ شوکتی

خدمت قرآن سے اک عالم درخشاں کر دیا
خالی ہاتھ آئے جوان کی کل بداماں کر دیا
اس نے اک مخلوق کی بخشش کا ساماں کر دیا
اس نے ذرّوں کو چنا اور مہر تاباں کر دیا
گلستاں کو اس نے رشک صد گلستاں کر دیا

ہر کسی کے حق میں محض سب سے ملنا پرتپاک
اس کو سچی بات کہنے میں نہیں تھا کوئی باک
تا دم آخر رہا وہ خادم قرآن پاک
اس کے مرنے کی خبر ہے کس قدر اندوہناک
اس خبر نے ہائے ہم سب کو ہراساں کر دیا

واقف سر شریعت، آشنائے راز تھا
بو الحسنؒ منظورؒ نعمانی کو اس پر ناز تھا
اس کے زہد و فقر کا اپنا الگ انداز تھا
مختصر بس یہ ہے وہ قرآں کا اک اعجاز تھا
اس نے قرآن سے محبت اپنا عنواں کر دیا

اس کا دن وقف تلاوت، اس کی شب وقف قیام
حفظ اور تجوید قراں میں سند تھا اس کا نام
فیضیاب اس سے ہوا ہے مشرق و مغرب تمام
اس پہ مولیٰ کی عنایت اور رحمت ہو مدام

عام اس خطّے میں اس نے فیض قرآں کر دیا

خُم نہ خُم ہے نہ ہی اب میکدہ و میکدہ
منفرد تھی اس کی قرآں سے محبت کی ادا
کتنے عالم، کتنے فاضل اس پہ دل سے تھے فدا
شاہ بھی قرباں تھے جس پر، وہ ایسا تھا گدا
مدرسہ کو اس نے صد گوہر بداماں کر دیا

اب وہ پدرانہ محبت کس طرح پائیں گے ہم
دل کی دنیا کو بسانے اب کہاں جائیں گے ہم
بے ریا، بے لوث الفت کو ترس جائیں گے ہم
زندگی میں ہر طرف ہی اک خلا پائیں گے ہم
اس کے غم میں چاک رندوں نے گریباں کر دیا

وہ شب معراج میں پہونچا جو خالق کے حضورؐ
بالیقیں معراج رحمت اس کو حاصل تھی ضرور
اوج بشریت پہ جس کو گئے میرے حضورؐ
اس کو اس شب میں ملا پروانۂ وصل حضور
اس کی تابانی نے اک دنیا کو حیراں کر دیا

ہے دعا سب کی کہ اس کا فیض ہر سو عام ہو
مدرسہ فرقانیہ مینارۂ اسلام ہو
عشق قرآں روز محشر باعث اکرام ہو
اس پہ رب کا خاص لطف و رحمت و انعام ہو
اس نے اپنا ہر نفس تصدیق ایماں کر دیا

• • •

چند اور مضامین
جو اس مقام کے مناسب ہیں

”اس میں پانچ مضامین شامل ہیں (اول) صوفی رحمت اللہ صاحبؒ کا، آپ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے خاص وابستگان دامن میں سے تھے اور یہ مضمون بانی الفرقان نمبر اشاعت خاص سے لیا گیا ہے۔ (دوم) حفیظ نعمانیؒ کا نقوش پارینہ سے ، (سوم) حضرت مولانا عبدالرب صاحب قاسمیؒ کا تعارف مدرسہ فرقانیہ سے ، (چہارم) حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ کا اصل عربی مضمون اور (پنجم) احقر کا آنکھوں دیکھا آخری دیدار“

ماں باپ سے زیادہ شفیق

صوفی رحمت اللہ صاحب
بانی مظہر العلوم، نوگئیاں۔ بہرائچ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کا حادثہ ہم لوگوں کے لیے ایک عظیم حادثہ ہے، حضرت کی رحلت سے ہم لوگ یتیم ہوگئے۔ کوئی باپ اپنے بیٹوں سے اتنی محبت، مہربانی و ہر طرح کی خیر خواہی ، دینی ہو یا دنیاوی نہیں کرسکتا، جتنی خیر خواہی حضرت مولانا فرماتے تھے۔ ملاقات پر خوش ہوتے، محبت سے پیش آتے، گھریلو حالات یہاں تک کہ کھیتی باڑی کے حالات دریافت فرماتے، بچوں کی تعلیم کے بارے میں اور مدرسہ کے بارے میں پوچھتے، اس کے بعد دعائیں دیتے، نجی، یا مدرسہ کا کوئی اہم کام یا ضرورت بتلاتا تو فوراً ہاتھ اٹھا دیتے اور خوب الحاح وزاری کے ساتھ دعا مانگتے جو کام مشورہ طلب ہوتا اس کے لیے مشورہ دیتے اور فرماتے، حافظ جی سے مشورہ کرلینا (مراد حافظ محمد اقبال صاحب مدظلہ مہتمم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ)

اصلاح کے تعلق سے ہم نے مولانا عبدالرحیم صاحب سے گذارش کی کہ آپ مولانا نعمانی صاحب سے ملاقات کرادیں، انہوں نے کہا کہ مولانا مدرسہ فرقانیہ گونڈہ تشریف لاتے رہتے ہیں، مدرسہ فرقانیہ مولانا کی آمد کا پروگرام معلوم کرکے بتلائیں گے، چند دنوں کے بعد مولانا عبدالرحیم صاحب گھر تشریف لائے اور یہ خوشخبری سنائی کہ گونڈہ مدرسہ فرقانیہ میں کانفرنس ہونے والی ہے، اس میں ہندوستان کے بڑے بڑے علماء کرام تشریف لائیں گے تو اس میں حضرت مولانا نعمانی صاحب ضرور تشریف لائیں گے اور مزید یہ بھی فرمایا کہ حافظ محمد اقبال صاحب جو مدرسہ فرقانیہ میں درجہ حفظ کے استاذ ہیں حضرت مولانا نعمانی صاحب کا حافظ جی سے بہت تعلق ہے۔ آپ لوگ پہلے حافظ جی سے ملاقات

کر لیجئے گا، وہ مولانا سے ملادیں گے۔ کانفرنس کی تاریخ آئی ہم کئی آدمی گونڈہ حاضر ہوئے، اس کانفرنس میں قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا ابوالوفاء صاحبؒ، مولانا محمد قاسم شاہجہاں پوریؒ، مولانا محفوظ الرحمٰن نامیؒ، ناظم مدرسہ نورالعلوم بہرائچ اور بہت سے علماء تشریف لائے تھے، اس زمانہ میں مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے مہتمم مولانا افضال الحق صاحب تھے، اس وقت مدرسہ فرقانیہ میں مسجد نہیں تھی، مدرسہ سے پورب تھوڑی دور پر مسجد تھی، عصر کی نماز کے وقت جب سب لوگ نماز کے لئے مسجد جانے لگے، تو ایک صاحب سے معلوم کیا کہ حافظ محمد اقبال صاحب کون ہیں، انہوں نے بتلایا کہ وہ حافظ صاحب ہیں، جو مولانا نعمانی صاحب کے ساتھ نماز کے لئے جارہے ہیں، آگے بڑھ کر حافظ جی سے بات کی حافظ جی نے بہت محبت وپیار سے بات کی اور فرمایا کہ مغرب سے پہلے یا بعد میں ہم سے مل لینا، حافظ جی سے مغرب کے بعد بات کیا، حافظ جی نے فرمایا کہ ہم نے مولانا صاحب سے بات کرلیا ہے آپ لوگ فلاں کمرے میں فجر کی اذان سے قبل آجائیں ہم اور حاجی رحمت اللہ صاحب ثانی اور عظیم اللہ ماموں اسی وقت پہنچ گئے حضرت نے بیعت فرمایا، بہت دیر تک دعائیں دیں، کچھ ہدایتیں کیں، کچھ تسبیحات پڑھنے کی بتلائیں، اور فرمایا کم سے کم مہینہ میں ایک خط اپنی حالت لکھ کر بھیج دیا کرنا اور ہمارے یہاں مرکز میں آنے کی کوشش کرنا، اور پتہ بھی نوٹ کرادیا۔

کئی بار لکھنؤ مرکز سے جماعتیں آئیں، حضرت مولانا نعمانی صاحب بھی تشریف لائے، حضرت مولاناؒ کے ہمراہ محترم حافظ محمد اقبال صاحب بھی تشریف لاتے رہے، گاؤں کے کافی لوگ بیعت ہوئے، ہمارے والدین اور پورے گھر والے بیعت ہوئے اور ساری بدعتوں، برائیوں سے توبہ کی، تعزیہ کو دفن کردیا، دوسرے گاؤں کے لوگوں نے مشورہ دیا کہ تعزیہ نہیں رکھنا ہے تو دوسروں کو دیدو، چونکہ تعزیہ کاٹھ کی تھی بہت

مضبوط بنی تھی، ہم نے کہا، دوسرے کو دیدیں گے تب بھی یہ گناہ ہوتا رہے گا اور ہم بھی اس گناہ میں ملوث رہیں گے، اس لئے دفن ہی کرنا بہتر ہے۔ محترم مولاناؒ اور حافظ جی نے مکتب پر توجہ فرمائی، محترم حافظ جی نے مجھے بھی مدرسہ میں پڑھانے کیلئے ارشاد فرمایا، ہم نے بھی مدرسہ میں پڑھانا شروع کیا، میں نے اپنے نانا صاحب کے پاس قرآن پاک کا ناظرہ پڑھا تھا حافظ جی جب ندوۃ العلماء لکھنؤ میں درجہ حفظ میں پڑھانے کے لیے تشریف لائے تب حافظ جی نے مولانا صاحب سے ہمارے بارے میں مشورہ کیا کہ رحمت اللہ کچھ دن کے لئے ہمارے پاس دارالعلوم آجائیں اور قرآن پاک کی اصلاح کرلیں، پڑھنے پڑھانے کا کچھ سلیقہ آجائے، حافظ جی کے حکم سے دارالعلوم گیا، حافظ جی کو قرآن پاک سنانا شروع کیا، ہمارے کھانے کا بار حضرت مولانا نے برداشت کیا، کھانے کے پیسے دارالعلوم کے مطبخ میں جمع کردیا، اور ہم کو مطبخ سے کھانا ملتا رہا، ندوہ سے واپسی پر مدرسہ میں پڑھاتا رہا، مدرسہ میں جو ضرورت ہوئی تعلیمی ہو یا تعمیری، حافظ جی سے اور مولانا صاحب سے عرض کرتا رہا، مدرسہ کی کسی ضرورت پر حضرت مولاناؒ سے دعاء کیلئے کہتا تو حضرت فرماتے، دعا بھی کروں گا اور دوا بھی، اور حضرت بقدر ضرورت دریافت فرما کر مالی تعاون فرمادیتے۔

مدرسہ کے ہال کمرے میں پختہ فرش نہیں تھا، فرش بننے کے لئے حضرت سے دعا کی گذارش کی، حضرت نے بدست محترم حافظ محمد اقبال صاحب مدظلہ رقم عنایت فرمائی، اور فرش بن گیا، بچے فرش پر بیٹھ کر پڑھنے لگے، ہم نے حضرت کے پاس کچھ تعریفی الفاظ لکھ دیئے، حضرت نے جواب میں لکھا کہ مجھے اپنی تعریف کی رشوت کی ضرورت نہیں ہے، میں اپنا حال دوسروں سے زیادہ جانتا ہوں، بس اللہ کا شکر ادا کرو، اللہ قبول فرمائے۔

(بحوالہ: بانی الفرقان نمبر اشاعت خاص نمبر: ۱۹۹۸ء)

• • •

ایک مثالی استاذ

حفیظ نعمانیؒ

حافظ اقبال صاحب ایک مثالی استاذ تھے اور کلام پاک سے تو ان کو جو تعلق تھا وہ دینی اور علمی شغف رکھنے والوں میں بھی کم دیکھا ہے۔ والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ اس سے پہلے سے بھی ہمیشہ شفقت فرماتے رہے۔ جب جب میرا آپریشن ہوا، فوراً تشریف لائے اور مستقل دعائیں پڑھ پڑھ کر دم کرتے رہے۔ سید ضیاء الحسن صاحب نے لکھا ہے کہ ۱۹۵٦ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں شعبۂ تحفیظ کھلا تو حضرت مولانا علی میاںؒ نے والد ماجدؒ سے مشورہ کے بعد ان کو اس کی ذمہ داری سپرد کی حافظ اقبال صاحب کا جو پڑھانے کا طریقہ تھا اس کی وجہ سے ان کا ہر شاگرد ندوہ کا نام روشن کر رہا تھا۔ شعبہ کی شہرت کا اثر یہ ہوا کہ طلباء کا ہجوم ہو گیا اور نئے درجے کھولے گئے اور کئی اساتذہ اس کی خدمت کے لئے مامور ہو گئے۔ حافظ صاحب شعبہ کے سربراہ بنائے گئے۔

عیش باغ کے قریب ایک مسجد میں تراویح پڑھی تو لاکھ کوشش کے باوجود امام کا پڑھنا گرفت میں نہیں آیا۔ میں نے معلوم کیا کہ آپ نے حفظ کہاں سے کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ندوہ میں، یہ سن کر میں حیران رہ گیا کہ حافظ اقبال صاحب کا

شاگرد اور یہ اسپیڈ!! تب حافظ صاحب نے پورا واقعہ سنا کر فرمایا کہ میں نے اسی لئے معذرت کر لی تھی۔ جس رفتار سے حافظ جی نے ڈھائی پارے پڑھ دیئے، حافظ اقبال صاحب کا شاگرد ہوتا تو شاید ایک پارہ پڑھتا۔ ندوہ کے ایک استاد حدیث نے لال باغ والی مسجد میں تراویح پڑھنا چاہی۔ دو رکعت کے بعد امام نے جب سلام پھیرا تو مولانا نے فرمایا آپ ان رکعات کو دوہرا لیجئے اور میں اس لئے جا رہا ہوں کہ تراویح میں اس رفتار سے قرآن پڑھنا بھی گناہ ہے اور سننا بھی۔ حافظ صاحب کو یہ بالکل بھی پسند نہیں تھا۔

حافظ اقبال صاحب کے پروردگار درجات بلند فرمائے، بیشک انہیں قرآن سے جیسا تعلق تھا ہم نے کسی کو نہیں دیکھا۔

(بحوالہ: نقوش پارینہ، سید ضیاء الحسنؒ)

• • •

باسمہ تعالیٰ

شہنشاہ حفاظ حضرت الحاج حافظ محمد اقبال صاحبؒ

نیز حفظ کے میرے استاذ و سابق مہتمم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ (یوپی)

حضرت مولانا عبدالرب صاحب قاسمیؒ
سابق مہتمم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ

گونڈہ سے اتر جانب ۱۴؍کلومیٹر اترولہ روڈ پر ایک چھوٹے سے گاؤں کرمڈیہہ میں 1918ء میں حضرت حافظ صاحب کی ولادت باسعادت ہوئی۔ مڈل تک ہندی اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں آپ سے ایک عظیم کام لینا تھا کہ حضرت والد ماجد مولانا قاری عبدالوہاب صاحبؒ کے زیر سایہ آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حافظ صاحب کو بہت قیمتی اور نایاب بنا دیا۔ ۱۹۳۸ء میں بانی مدرسہ نے حافظ صاحب کو مدرسہ کا مدرس بنا دیا اور پھر اس وقت سے لیکر ۳۰؍جولائی ۲۰۰۸ء تک قرآن کریم کو اپنا سب کچھ بنا لیا۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۵ء تک قرآن کریم ہی کی خدمت کرتے رہے، پھر ناگزیر حالات پیش آنے کی وجہ سے اپنے بڑوں (حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور اپنے شیخ و مربی حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ) کے حکم و مشورہ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تشریف لے گئے۔ اور حفظ کلام اللہ کی بنیاد ڈالی اور وہاں ہزاروں تشنگانِ قرآن کریم کو حافظ بنا دیا۔ اور ایک روایت کے مطابق حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے آپ سے قرآن کریم کی تصحیح فرمائی ہے۔

وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ کے مطابق حضرت حافظ صاحب ۱۹۷۱ء میں اسی درسگاہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں پھر دوبارہ تشریف لائے اور اہتمام کے

منصب پر فائز ہوئے۔ اور پھر تا حیات یہیں کے ہو رہے۔ اور قرآن کریم کو اپنا محور بنا لیا اور حفظ کلام اللہ میں مشغول ہو گئے اور پھر ہزاروں شاگرد پیدا کیے۔ جس کی آبیاری اور قرآن کی خدمت مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے ذریعہ ملک سے بیرون ملک پہنچ گیا۔ اور آپ کے شاگردوں کے شاگرد نے قرآن ہی کی خدمت کو اپنا نصب العین بنا لیا۔ آسمان آپ کے لحد پر شبنم افشانی کرے اور آپ کی قبر کو نور سے بھر دے، آمین۔ اور آپ کی قرآن کی خدمت کو قبول فرمائے۔ اور خوب خوب قبول فرمائے، آمین۔

خوش قسمتی سے حفظ کلام اللہ میں نے بھی حافظ صاحب سے ہی کیا ہے۔ صرف پونے دو پارے اپنے والد ماجد بانی مدرسہ فرقانیہ گونڈہ سے کیا۔ آج ان ہی دونوں بزرگوں کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قابل بنا دیا۔ (بہر کیف حضرت حافظ صاحب کو قرآن کریم سے بے انتہا شغف تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ میری طبیعت خراب ہو درجہ میں پڑھانے پہنچ جاتا ہوں تو میری طبیعت ٹھیک ہو جاتی ہے) ورنہ کہاں میں اور کہاں نکہت گل۔ نسیم صبح تیری مہربانی۔ میں اپنے بارے میں کہتا ہوں کہ میں کسی لائق نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم ہی کی خدمت سے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو اس کار عظیم سے بے انتہا تعلق نصیب فرمائے۔ اور ہمہ وقت قرآن کریم پڑھنے اور پڑھانے میں لگائے۔ حدیث پاک ہے خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ۔ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ بہت سی باتیں حافظ صاحب کی خوبیوں کی ذہن میں محفوظ ہیں۔ طوالت کی وجہ سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے اس ناچیز عمل کو قبول فرمائے۔ **فقط والسلام**

عبدالرب غفرلہ

(بحوالہ: تعارف مدرسہ فرقانیہ گونڈہ)

• • •

المجلد٥٤، شوال ١٤٢٩ھ/اکتوبر ٢٠٠٨ء

الیٰ رحمة اللّٰه تعالیٰ،

فضیلة الحاج الحافظ **محمد اقبال** فی ذمة اللّٰه تعالیٰ

فضیلة الشیخ سعید الرحمن الأعظمی الندوی

استأثرت رحمة اللّٰه تعالیٰ بفضیلة الحاج الحافظ محمد اقبال، رئیس قسم تحفیظ القرآن الکریم بدار العلوم ندوة العلماء سابقاً، ومدیر المدرسة الفرقانیه فی مدینة غونده، بولایة اترا بردیش حالیاً. قبل وفاته. وذلک اثر مرض مزمن من الشلل فی الرجل، وقد ظل طریح الفراش الیٰ مدة فما کان یقدر علی أن ینتقل من مکان الی مکان الا "بالعربیة"وقد لبی نداء ربه ظهر یوم الأربعاء ٣٠/ من شهر یولیو عام ٢٠٠٨ء المصادف ٢٦/ رجب عام ١٤٢٩ھ، بالغا من العمر ٧٩/ عاماً، فانا للّٰه وانا الیه راجعون.

لقد کان الراحل الکریم من کبار حفظة کتاب اللّٰه ومدرسیه، طارت شهرته فی ذلک الی آفاق بعیدة فی البلاد وخارجها ، اذا تلمذ علیه کثیر من طلاب آسیا وافریقیا وبریطانیا، عدا طلبة المناطق الداخلیة.

ومن مأثره أنه کان سبباً لافتتاح قسم تحفیظ القرآن الکریم فی دار العلوم ندوة العلماء ، وقد تطور هذا القسم وازدهر بترکیز بجهوداته علیه، وتربیة الطلاب المعلمین علی خلال کریمة من الاخلاص والتورع والالتزام بآداب التلاوة والحفظ، والمواظبة علی أوقات الصلوات ، وقراءة القرآن الکریم فی النوافل وقیام اللیل، فقد

کان بنفسه علی مکانة عالیة من الصلاح والورع والاخلاص وکان یعیش بغایة من السذاجة والقناعة، بروح من الشکر والحمدلله علی ماأکرم به من الخصائص الدینیة مایقل نظیره فی مجتمعنا الیوم، وذلک هو السبب فیما اذا کان قسم تحفیظ القرآن الکریم بدار العلوم نموذجا للمدارس الاسلامیة الکبری، ومتمیزاً من ناحیة التعلیم والتربیة.

بعد ماقضی وقتاً طیباً ومدة تتجاوز عشرین عاماً فی دار العلوم لندوة العلماء ونجح فی تخریج أجیال من حفظة القرآن الکریم ومجودیه، ألجأته الظروف الی تفویض ادارة هذا القسم الی بعض تلامیذه النابهین ، والعودة الی مرکزه الأول عبر الحاج اعضاء المدرسة الفرقانیة فی کمدیر هذا المدرسة، والحمدللّٰه وقدتحسنت المدرسة وتطورت مع عردته هناک وتسلم ادارتها.

وکان الرجل الجلیل مثالا فی الصلاح والتقوی، وفی الشعور بالمسئولیة وأدابها بدقة وأمانة ، وبروح من الاحتساب والتوکل راجیاً من الله تعالیٰ مثوبة یوم الجزا. ومن أوفیٰ بما عاهد علیه الله فسیؤتیه أجراً عظیما. تغمد الله بواسع رحمته وغفر له زادته وأکرم نزله فی جنات ونعیم وألهم أهله وذویه البصروالسلوان (والله ولی المتقین)

البعث الاسلامی المجلو ٥٤العددالثانی)

● ● ●

آخری دیدار

محمد سعد خاں ندوی

پورے صوبہ میں حافظ صاحبؒ کی وفات کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی، لوگ جوق در جوق شدید گرمی کے باوجود دیوانہ وار چلے آرہے تھے، جسد خاکی کو اولاً اسپتال سے گھر کے سامنے مدرسہ کے صحن میں رکھا گیا، آخری دیدار کیلئے آنے والوں کا ایک تانتا بندھا ہوا تھا، جو کسی طرح ختم ہی نہیں ہورہا تھا، مسجد میں مغرب کی ہی نماز کے بعد حافظ صاحبؒ کے خلیفہ حضرت مولانا سجاد نعمانی صاحب مدظلہ العالی بادل ناخواستہ بیان کیلئے بیٹھ گئے تاکہ لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں اور حافظ صاحبؒ کیلئے کچھ کار خیر کریں، غسل کا وقت بھی قریب آرہا تھا، عصر بعد ہم لوگوں نے پانی گرم کرلیا تھا، مسجد اندر سے باہر تک بالکل بھر گئی تھی تب بھی ایسا لگ رہا تھا کہ لوگ مسجد میں نہیں بلکہ صحن ہی میں موجود ہیں، جنازہ کو برآمدہ میں کیا گیا (جو حافظ صاحبؒ کی درسگاہ اور گھر سے ملا ہوا تھا) برآمدہ کو صحن کی طرف سے گھیر دیا گیا تاکہ غسل آسانی سے دیا جاسکے بھیڑ بڑھتی ہی جارہی تھی، برآمدہ میں حضرت مولانا عبدالحفظ صاحب، حضرت حاجی عبدالقیوم صاحب، احقر اور علاؤ الدین بھائی موجود تھے۔ حافظ صاحبؒ کے گھر کا وہ دروازہ جو برامدہ سے ملا ہوا تھا کھول دیا گیا تاکہ قریبی عورتیں بھی آخری دیدار کرلیں، اس کے بعد غسل شروع ہوا، پانی سب سے پہلے مولانا عبدالحفیظ صاحب نے ڈالا اس کے بعد حاجی عبدالقیوم صاحب اور دیگر قریبی اہل خانہ نے، اخیر میں احقر اور علاؤالدین ہلدھر مؤ نے بھی

تھوڑا تھوڑا پانی حافظ صاحبؒ کے جسم اطہر پر ڈالا، چاروں طرف کہرام مچا ہوا تھا، ہر ایک چاہتا تھا کہ یہ نیک کام اس کے بھی حصہ میں آجائے غسل کے بعد کفن دیا گیا اور دوبارہ مدرسہ کے صحن میں رکھا گیا تاکہ لوگ جو ابھی تک جوق در جوق چلے آرہے تھے آخری دیدار کرکے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرلیں، اتنے میں ہی عشاء کی اذان ہونے لگی، بے چینی بڑھ گئی اور لوگ بے قرار ہونے لگے، نماز بعد لوگ جنازہ کی نماز کیلئے اپنی سنتیں مؤخر کرکے صف بندی کرنے لگے جبکہ سنتوں کے بعد نماز جنازہ کا اعلان ہوا تھا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحبؒ نماز جنازہ پڑھانے کیلئے تشریف لے آئے تھے اچانک گیٹ کی طرف سے آوازیں آنی شروع ہوگئیں کہ کچھ تاخیر کردیں، کچھ تاخیر کردیں ابھی لوگ آرہے ہیں، تمام مدرسہ میں کہیں بھی تل رکھنے کی جگہ نہ تھی، تاحد نگاہ مسجد میں، درسگاہوں میں، صحن میں، صحن کے اوپر، کمروں میں اور اس کے اوپر، روڈ پر ہر جگہ لوگ نظر آرہے ہیں۔ نماز میں کچھ تاخیر کی گئی لیکن اب بھی بہت سے لوگ نماز جنازہ سے محروم رہ گئے، اب باری انسانوں کی نہیں فرشتوں کی تھی، جو بھی دیکھتا یہ کہتا کہ جنازہ کو فرشتے لے جارہے ہیں، مجمع اتنا تھا کہ چلنا اور قبرستان تک پہنچنا مشکل ہورہا تھا۔ مردان حق کی مقبولیت یوم الجنائز سے معلوم ہوتی ہے۔ یہاں بھی وہی حال تھا، مجمع تھا کہ ٹوٹا پڑ رہا تھا قبر تک پہنچنا اور مٹی ڈالنا بڑا سخت مرحلہ بن گیا تھا؛ لیکن اللہ کے اس نیک بندہ کے طفیل سب کام دشواریوں کے باوجود بہت آسانی سے انجام پاگئے۔ اس طرح اہل دل نے اپنی محبوب شخصیت کو پُرنم آنکھوں سے منزل تک پہنچایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

• • •

گلہائے تازہ

اس ایڈیشن کیلئے لکھے گئے مضامین وتبصرے

(اوّل)

حضرت حافظ صاحبؒ اورتذکرہ اقبال
اپنے اہل خانہ کی نظر میں

حضرت حافظ محمد اقبال صاحبؒ

تعلیم وتربیت کے آئینہ میں

مولانا عبدالحفیظ قاسمی صاحب گونڈہ
(داماد حضرت حافظ صاحبؒ)

حضرت مولانا سعد صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے بارے میں معلومات کو سپرد قرطاس کر کے امت پر احسان فرمایا ہے۔ مگر ضرورت تھی کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طرز تعلیم کے متعلق کچھ لکھا جائے جس طرز نے آپ کو شہرت دوام بخشا اور زندۂ جاوید بنادیا۔

حافظ صاحبؒ کے تلامذہ ہندوستان بالخصوص مشرقی اتر پردیش کے طلبہ نے آپ کے طرز تعلیم وتربیت سے استفادہ کیا اور اسی طرز کے مطابق ہندوستان سمیت ساؤتھ افریقہ، سعودی عرب، دبئی اور دیگر ممالک میں تعلیم وتربیت کے نظام کو زندہ کیا۔

حافظ صاحبؒ کا لب ولہجہ

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خاص لہجہ تھا سبک لہجہ تجوید کی مکمل رعایت کے ساتھ سادہ مگر تنوع انداز میں روانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے اور طلبہ کو یہی انداز سکھاتے تھے۔ نیز اوقاف کی بھی خوب رعایت کرتے تھے۔

تعلیم وتربیت کا طریقۂ کار

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم دیکھ کر سننے کی بنیاد ڈالی جو حافظ صاحبؒ سے قبل مفقود تھی بلکہ معیوب تھی۔ اس طریقۂ کار کے حافظ صاحب گویا

موجد ہیں اور حضرت کا ایجاد کیا ہوا یہ طرز آج بھی زندہ وتابندہ ہے اور مفید بھی ہے۔
حضرت حافظ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ طلبہ کے یادداشت پر خوب توجہ دیتے تھے اس قدر انہماک کے ساتھ سنتے کہ بغل میں بیٹھ کر سنانے والے طلبہ کی بھی مجال نہیں تھی کہ غلطی کر کے آگے بڑھ جائے۔ ابتدا میں سبق ہو یا آموختہ ایک معتدبہ مقدار میں سنتے نہ بہت کم اور نہ بہت زیادہ بلکہ معتدل، ہاں البتہ جب مخارج اور لب ولہجہ میں درستگی آجاتی اور حافظ صاحب کو اعتماد ہو جاتا تو مقدار میں اضافہ کر دیتے۔

درسگاہ میں ہر ایک طالب علم پر کڑی نگاہ رکھتے۔ غفلت برتنے سبق اور آموختہ میں کوتاہی کرنے یا غیر اخلاقی یا نامناسب غلطیاں کرنے پر مناسب سزا دیتے تھے تاکہ اصلاح ہو جائے۔

بیت اللہ شریف میں تعلیم وتربیت کی اصلاح کیلئے دعا کرنا

واضح رہے کہ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے کئی حج اور عمرے کی سعادت بخشی ایک مرتبہ حج کی حاضری کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے بیت اللہ شریف کے اندر جانے کی توفیق عطا فرمائی اور وہاں پر نماز اور دعا کی بھی توفیق ملی۔ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ میں نے بیت اللہ کے اندر پہنچ کر یہ دعا کی اے اللہ! مجھے بغیر مارے لڑکوں کو پڑھانے کی توفیق عطا فرما۔ اس کے بعد پھر طلبہ کو مارنا بہت کم ہو گیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت کو عجیب خصوصیت یہ عطا کی کہ کئی لڑکوں کا ایک ساتھ سنتے تھے لیکن اس طرح سنانے میں بھی طلبہ پر حضرت کا رعب رہتا تھا اور از خود مخارج لب ولہجہ اور انداز میں درستگی آنے لگی تھی اس انداز میں طلبہ کی اصلاح ہو جانا اللہ کا آپ پر خصوصی انعام نہیں تو اور کیا تھا۔

شب روز کا معمول

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تہجد کے بہت پابند تھے نماز تہجد سے فارغ ہو کر ہلکا پھلکا ناشتہ کر کے چائے پیتے پھر درسگاہ میں آ کر طلبہ کا سبق اور آموختہ سنتے، سننے سنانے کا یہ سلسلہ فجر کی نماز کے قریب تک جاری رہتا پھر نماز کیلئے مسجد تشریف لے جاتے مسجد جاتے ہوئے تمام کمروں کی نگرانی کرتے کیا مجال کہ کوئی طالب علم کمرے میں بیٹھا رہ جائے نیز مسجد میں پہنچ کر امام کے پیچھے پہلی صف میں نماز دعا یا تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔

فجر کی نماز کے بعد درسگاہ میں دوبارہ تشریف لا کر بچوں کا قرآن سننے میں مشغول ہو جاتے، پھر ناشتہ کی چھٹی ہوتی اس کے بعد مدرسہ کا وقت ہونے پر خود آ کر گھنٹی لگواتے اور درسگاہ میں بیٹھ جاتے دوپہر کی چھٹی تک جم کر بیٹھتے اس دوران خطوط لکھواتے، کوئی اہم مہمان آتا تو اس سے گفتگو فرماتے اور حافظ صاحب کے پاس اگر کوئی مدرسہ کی رقم ہوتی تو حافظ محمد عثمان صاحب محاسب مدرسہ کو بلاتے اور اس رقم کو مدرسہ کے دفتر میں جمع کروا دیتے۔

ظہر کے بعد درسگاہ میں آجاتے اور عصر تک بیٹھے رہتے پھر عصر کی نماز کے بعد مدرسہ کی جامع مسجد میں حضرت حافظ صاحبؒ کی زیر نگرانی یٰسین شریف کی مجلس ہوتی یٰسین سے فراغت کے بعد دعا ہوتی تھی جس میں تمام طلبہ شریک رہتے، حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عمل آج بھی پوری شان وشوکت سے زندہ ہے۔

عصر کے بعد مدرسہ کے گیٹ پر آتے اور تخت پر بیٹھ جاتے اس وقت میں طلبہ اساتذہ اور دیگر حضرات ملاقات کا شرف حاصل کرتے بعض طلبہ اور اساتذہ اپنی ضرورت کا اظہار کرتے تو حضرت حافظ صاحب حتی الامکان اسے پورا کرنے

کی بھرپور کوشش کرتے۔ بعد نماز مغرب بھی تخت پر جلوہ افروز ہوتے اور پورے مدرسہ کے طلبہ واساتذہ کرام اور دیگر امور کی نگرانی فرماتے۔

بعد نماز عشاء حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فکر رہتی کہ طلبہ اپنی حاجات سے فارغ ہوکر جلد از جلد سوجائیں اور خود بھی جلدی سوجانے کے عادی تھے۔

خطوط کی تاثیر اور دلنشینی

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط بہت سادہ اور دلنشیں ہوتے تھے لطف کی بات یہ ہے کہ الفاظ کی ترتیب آپ ہی کی ہوتی تھی۔ کئی بار راقم الحروف نے دیکھا ہے کہ مدرسہ کی ضروریات کے متعلق جس صاحب خیر کی خدمت میں خط ارسال کیا وہ ضرور متاثر ہوا بالخصوص شہر گونڈہ کے کسی صاحب حیثیت سے خط لکھ کر مدرسہ کی ضرورت کا اظہار کیا تو وہ جلد ہی خدمت میں حاضر ہوا اور حسب ضرورت رقم لاکر دیدیا۔ خطوط پڑھنے والے اس قدر متاثر ہوتے کہ مدرسہ کا چندہ بڑھا دیتے اور طویل زمانہ تک خط کو اپنے پاس یادگار کے طور پر رکھتے۔

حافظ صاحبؒ کے طرز تعلیم وتربیت کی مقبولیت

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انداز تعلیم وتربیت کو اللہ تعالیٰ نے ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ اس دور کے اکابر بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کی ادائے دلبرانہ اتنی پسند آئی کہ انہوں نے اپنے دوفرزندوں کو مدرسہ فرقانیہ حافظ صاحبؒ کی خدمت میں پڑھنے کیلئے بھیجا اور آپ کے شیخ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ نے اپنے بھتیجے مولانا محمد عارف سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ کو تصحیح قرآن کے واسطے بھیجا علاوہ ازیں بڑی عمر کے لوگوں نے بھی آکر قرآن کریم کی تصحیح کی مثلاً صوفی احسان اللہ صاحب اور صوفی

رحمت اللہ صاحب۔ اول الذکر نے اپنے علاقے بریا بلرام پور میں قرآن کی خدمت کی اور ثانی الذکر نے قیصر گنج سے متصل نوگیاں گاؤں میں مدرسہ قائم کیا اور حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں حفظ کے ساتھ پرائمری کے درجات قائم کئے جو آج بھی برقرار ہے۔

حاجت مندوں کا خیال

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضرورت مند طلبہ کی چپکے سے مدد کیا کرتے تھے حتی کہ اساتذہ کرام کے مکانات تک تعمیر کروائے ہیں۔

راقم الحروف نے حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حفظ کی تعلیم حاصل کی ہے بعد ازاں حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی زیر نگرانی رہ کر عربی کی تعلیم بھی حاصل کی اور پھر بیس سال تک تقریباً حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک ہی درسگاہ میں بیٹھ کر تدریسی خدمت کرنے کی توفیق ملی یہی وجہ ہے کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنے اور برتنے کا خوب موقع ملا۔

اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کے اس انداز تعلیم وتربیت سے لوگوں کو مستفید فرمائے اوران کی زندگی سے سبق لینے کی توفیق دے۔ آمین

مولانا عبدالحفیظ صاحب قاسمی
مہتمم مدرسہ اسلامیہ فاروقیہ بہرائچ
واستاذ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ یوپی

• • •

"تذکرہ اقبال"

نانا جان پر بہترین کتاب

مولانا عبداللطیف گونڈہ

(نواسہ حضرت حافظ صاحبؒ ابن حاجی عبدالقیوم صاحب)

مولانا محمد سعد خاں ندوی نے نانا جان پر ایک کتاب تذکرہ الحاج محمد اقبالؒ کے نام سے لکھا ہے اب یہ دوبارہ نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ شائع کرنے جارہے ہیں، کتاب تو نانا جان سے محبت کرنے والے ہر شخص کو پسند آئی اور ہم نے بھی پڑھا ہے، بہترین اور اچھی کتاب ہے، دوبارہ ضرور شائع ہونی چاہئے، اللہ مولانا سعد صاحب کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

عبداللطیف گونڈہ

• • •

ہمارے نانا جانؒ

مولانا محمد زبیر خاں قاسمی گونڈہ

ابن مولانا عبدالحفیظ صاحب مدظلہ

نواسہ حضرت حافظ صاحبؒ

ہم لوگ 90 کی دہائی میں غالباً 1990 یا 1989 انٹیا تھوک میں رہتے تھے ہمارے نانا وہاں پر اکثر جمعرات کو آیا کرتے تھے جمعرات کو اگر کہیں ان کا سفر نہیں ہوتا تو ضرور آجاتے جس میں والدہ سے ملاقات اور ہم لوگوں کیلئے کوئی چیز کھانے والی یہاں گونڈہ میں رکھے رہتے تھے جب آتے تو ساتھ لیکر آتے اگر کبھی نماز کے وقت پہنچتے یا نماز کا وقت ہوجاتا تو سیدھے مسجد جاتے اس کے بعد گھر آتے تھے، نانا کے اس آنے کا اس بچپن میں بہت انتظار رہتا تھا کہ نانا آئیں گے اور کوئی چیز لائیں گے وہ ہمیں کھانے کو ملے گی اس وقت چیزوں کی اتنی زیادہ فراوانی نہیں تھی کہ ہر چیز ہر جگہ مل جائے تو ہم لوگ نانا کا جھولا ہی دیکھا کرتے تھے کہ اس میں کیا لے کر آئے ہیں اور نانا کے سامنے ہی کھانا شروع کر دیتے تھے اس پر نانا بہت ہنستے تھے اور ان کو بہت خوشی ہوتی تھی ایسے میں ان کا چہرہ چمکنے لگتا تھا۔

غیر شرعی امور پر سختی

نانا بیجا سختی نہیں کرتے تھے بلکہ انکی سختیاں نماز سے کوتاہی، قرآن کی تلاوت نہ کرنا، بہت زیادہ بڑے بال رکھنے جیسے امور پر ہوا کرتی تھیں اگر بال ذرا بھی بڑے ہو گئے تو اس پہ بہت زیادہ سختی ہوتی کہ فوراً بال منڈواؤ اور نائی کو بلوا کر فوراً بال منڈوا دیتے بعد میں از راہِ مزاح کہتے کہ اب شہزادے کی طرح لگ رہے ہو، نماز میں تھوڑی سی

سستی اور کاہلی کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے اور فجر کی سنتوں سمیت تمام سنتوں کی بھی پابندی کراتے تھے کبھی کبھی ہم لوگوں کو کہتے تھے کہ ہمارے سامنے سنت پڑھو۔

نماز اور تلاوت کی پابندی

نماز میں آپ کا ایسا دل لگا ہوا تھا کہ بے چین ہو جاتے تھے، نماز کا وقت ہو جائے تو کہیں بھی ہوں سفر ہی کیوں نہ ہو فوراً نیت باندھ لیتے، ایک عجیب سی کیفیت ان کے اندر پیدا ہو جاتی تھی اور نماز سے متعلق یہ وہ چیزیں ہیں جو اب کمیاب ہیں، بہت کم لوگوں میں نظر آتی ہیں نانا کے ساتھ بہت سارے اسفار کیے تقریباً جو بڑے بڑے شہر ہیں ممبئی، دہلی، کلکتہ، آگرہ، اندور وغیرہ کئی سفر کیے لیکن معمولات سے ہٹا ہوا ہم نے ان کو کبھی نہیں دیکھا کہ سفر میں تہجد کی نماز بھی قضاء ہوتے نہیں دیکھا کتنا ہی پیار و محبت بھرا ماحول چل رہا ہو لیکن نماز میں کوتاہی بالکل بھی برداشت نہیں کرتے اس میں کچھ بھی سستی کاہلی دیکھتے تو بہت سخت سرزنش فرماتے یہاں تک کہ ہم لوگوں کا جواب دیتے نہیں بنتا تھا، کیوں نہیں گئے، کیوں دیر ہوگئی، جماعت کیسے چھوٹ گئی جیسے سخت سوالات کرتے اور رعایت نہیں کرتے تھے بہت سخت ڈانٹ پڑتی تھی۔ ہم تین خالہ زاد بھائی تھے بڑے بھائی مولانا عبدالعلیم صاحب (مقیم حال جدہ) مولانا عبدالباری اور مولانا عبداللطیف صاحب ہم سب چھوٹے تھے اور نانا جان پندرہ بیس دن کے اندر ہم سب کے بال نائی کو بلوا کے سر منڈوا دیتے تھے جسکی وجہ سے مدرسہ کے دوسرے لڑکے مذاق کیا کرتے تھے کہ تم لوگوں کے نانا تو تم لوگوں کے ساتھ بڑی سختی کرتے ہیں لیکن بات اب سمجھ میں آئی کہ واقعی نانا جان کی تربیت کا انداز ہی نرالا تھا کہ اس وقت جو تھوڑی بہت دین سے نسبت اور تعلق اور اللہ کوئی کام لے رہا ہے وہ سب نانا ہی کی تربیت کا نتیجہ ہے۔ خود تہجد کے لیے اٹھتے اور ہم لوگوں سے کہتے تھے کہ اٹھ جاؤ چاہے دو ہی رکعت پڑھ لیا کرو، اللہ سے مانگ

لیا کرو، اللہ سے قرب حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ نماز ہے اور تلاوت کی بہت زیادہ تنبیہ کیا کرتے تھے کہ بیٹا کہیں بھی کسی بھی حال میں رہو تلاوت خوب کیا کرو تم لوگ تو حافظ ہو پانچ پارہ کم سے کم پڑھ لیا کرو کہتے تھے کہ ہم اس بڑھاپے میں پڑھنے پڑھانے کے ساتھ تلاوت کر لیتے ہیں کبھی کبھی پانچ پارہ سے زیادہ ہو جاتا ہے تم لوگ تو جوان ہو پھر بھی تلاوت نہیں کرتے ہو۔

سنت کی پابندی کا ایک واقعہ

ایک ہمارے ماموں تھے بلال نام تھا ان کا تقریباً چھ سال کی عمر میں انتقال ہوا اپنے گاؤں کرمڈیہ میں، رمضان کا مہینہ تھا اس گاؤں میں وبا پھیلی ہوئی تھی ان کا بھی اسی وبا میں انتقال ہو گیا اور رمضان کا مہینہ تھا ہمارے نانا گاؤں گئے ان کا انتقال ہو چکا تھا ہمارے نانا نے اس وقت بھی سحری کھائی کہ سحری کھانا سنت ہے، اس سنت کو نہیں چھوڑا، ان کے چھ سال کے بیٹے کی لاش رکھی ہوئی ہے اس کے باوجود انہوں نے سحری کھائی کہ سنت ہے ہم سے سنت چھوٹنے نہ پائے، سنت کا اتنا اہتمام تھا، کئی بچوں کا انتقال ہوا لیکن نہ پڑھانا چھوڑا نہ تہجد کی نماز چھوڑی کوئی بھی معمول نہیں بدلا اور نہ اس سے ہٹے خواہ بڑے سے بڑے حالات آ جائیں معمول پہ جمے رہتے تھے، ثابت قدم رہتے تھے، اور ہم لوگوں کی تربیت بھی ویسے ہی کرتے تھے۔

مہمان نوازی اور لوگوں کا تعاون

نانا کے پاس خوب مہمان آتے تھے تو فوراً ہم ہی لوگوں کو کہتے تھے کہ کھانا لے آؤ، ان کا بستر لگانا ان کی ضروریات کا خیال رکھنا، بہت اعلیٰ درجے کی ضیافت اور اس میں بھی حسن اخلاق سے پیش آتے، نانا جان گھر میں جب کوئی مانگنے والی آتی جو کہ عموماً پیشہ ور مانگنے والیاں ہوتی تھیں ہم لوگ جانتے تھے لیکن پھر بھی نانا ان کا بہت خیال

رکھتے تھے کبھی کبھی گھر میں کھانا نہیں ہوتا تھا تو ہماری والدہ کو دوپہر میں کہتے کہ آپ کھانا بنائیں اور انکو کھلائیں اگر کبھی روٹی نہیں ہوتی تو کہتے ان کو بنا کر کھلاؤ پھر جانے پر تعاون بھی کراتے، مدرسے میں بہت سارے اساتذہ کو ہم جانتے ہیں جن کو مکان خرید کر یا مکان کیلئے زمین خرید کر دیا پھر تعمیر کے پیسے بھی ان کو دیئے ایسے بہت سے لوگ ہیں ایک ایک کا نام لینا مناسب نہیں ہے۔ ہمارے نانا ہم لوگوں سے زیادہ جو ضرورت مند آتے تھے مدرسے کے یا مدرسے کے باہر کے ان کو دے دیا کرتے تھے ان کے انتقال کے بعد پتہ چلا کہ بہت سے ایسے لوگ تھے جن کو خاموشی کے ساتھ تعاون کیا کرتے ان کو خرچہ دیا کرتے تھے ان کے پورے گھر کا خرچہ اٹھایا کرتے تھے۔

امانت و دیانت داری

نانا جان کی ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ مدرسہ کی رقم لاتے یا کہیں سے آتی تو ہم لوگوں کو ہاتھ تک نہیں لگانے دیتے، مدرسہ کی رقم ہونے کی وجہ سے چھونے نہیں دیتے تھے غالبا ایک مرتبہ ہم یا ہمارے بھائیوں میں سے کسی نے اس پیسے کو چھولیا پھر خوب ڈانٹ پڑی ہاتھ دھلوائے اور کہا کہ یہ مدرسے کی امانت ہے تم نے چھوا کیسے تمہاری ہمت کیسے ہوئی اس کو چھونے کی اور اس معاملے میں آخر تک ایسی ہی سختی کرتے تھے ایک مرتبہ عصر کے بعد ایک لڑکا مطبخ سے کھانا لا رہا تھا ہم چھوٹے تھے، کھیل رہے تھے اس سے چاول کا ایک لقمہ کھا لیا کیونکہ مجھے اس زمانے میں نمکین چاول بڑے اچھے لگتے تھے، نانا کی نظر پڑ گئی جو کہ تخت پر بیٹھے تھے فورا بلایا کہا انگلی ڈال کے اس چاول کو نکالو، قے کرو، قے کروالیا اور کہا کہ یہ مدرسے کے بچوں کے لیے ہے تمہارے لئے تھوڑی نہ ہے ان سب چیزوں کا نانا جان بہت خیال رکھتے تھے کہ کون سی چیز مدرسے کی ہے اور کون چیز کہاں کی ہے جو چیز جہاں کی ہو وہیں استعمال ہو، کہیں سے مدرسے کی امانت ان کے پاس آتی یا خود لاتے اور رات ہو جاتی تو بے چین رہتے تھے، رات

بھر تڑپ میں رہتے تھے کہ خدانخواستہ ہم اس دنیا سے چلے جائیں اور مدرسے کی امانت ہمارے پاس رہے تو اللہ کے ہاں مدرسے کے پیسے کے ساتھ ہم اٹھائے جائیں اس بات کو سوچ سوچ کر بے چین رہتے تھے، امانت کا بہت خاص خیال رکھتے تھے اور مدرسے کا کم سے کم خرچ ہو، اس بڑھاپے اور ضعیف العمری میں بھی اگر لکھنو جانا ہوتا تھا تو پہلے ایک پسینجر چلتی تھی گونڈا سے 19 روپے کرایہ تھا اس پسینجر سے سفر کرتے تھے تاکہ مدرسے کے پیسہ بچ جائیں اور مدرسے کا نقصان نہ ہو یہ وہ بہت چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں جن کا دھیان نانا جان بہت اہتمام سے رکھتے تھے۔

تربیت کا نرالا انداز

ہم تین بھائی عبد اللطیف ندوی، عبد الباری ندوی اور ہم تینوں اکثر ساتھ میں رہتے تھے تو نانا بہت خاص تربیت ہم لوگوں کی فرماتے تھے کہیں نماز پڑھنے میں تاخیر تھوڑی سی ہوگئی تو بہت سخت سرزنش فرماتے تھے کہاں رہ گئے تھے، کیا کر رہے تھے وغیرہ وغیرہ، دیگر بچوں کے ساتھ کھیلنا اور زیادہ ملنا بالکل پسند نہیں فرماتے تھے کہتے تھے فورا گھر آؤ، درسگاہ سے فورا گھر آؤ، مسجد سے فورا گھر آؤ، کھیلنے جانا ہو تو اجازت لے کے جاؤ، پھر کہیں جا رہے ہو تو پوری بات بتاؤ کہ کہاں اور کیا کرنے جا رہے ہو ان کی تربیت کا بہت نرالہ انداز تھا، پھر جب ہم دیوبند چلے گئے پڑھنے کے لیے نانا وہاں پہ ہمارے لیے خرچہ بھیجتے تھے اپنا الگ سے اور ہمارے والد صاحب الگ دیتے تھے لیکن نانا کا اکاؤنٹ الگ تھا نانا کا اکاؤنٹ تو ایسا تھا کہ کتنا بھی مانگ لیتے نانا سے یہ چیزوں کی ان کتابوں کی ضرورت ہے فورا پیسہ دے دیتے، اس باب میں آپ بہت خیال رکھتے تھے حتیٰ کہ ہماری شادی ہوگئی مولانا شریف صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی بیٹی سے جو اس وقت نظام الدین مرکز میں مقیم ہیں تو اس کے بعد بھی بہت خیال رکھتے بہت خوش ہوتے اور ہمارے گھر میں

ان سے بھی بہت خوش رہا کرتے تھے۔

بزرگوں اور ان کی کتابوں سے محبت

وہ بزرگوں سے بہت خوش ہوتے تھے کوئی بھی اللہ کا ولی ہو اس سے ملنا چاہتے۔ بہت سے احباب نے آپ کو اسی صفت سے لکھا ہے رفیق العلماء، محبوب العلماء حضرت تھانویؒ کے تذکرے گھر میں بہت کیا کرتے تھے اور حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمت اللہ علیہ کے تذکرے بہت کیا کرتے تھے مولانا ضرغام الدین صاحب رحمت اللہ علیہ کے حالات بتایا کرتے تھے گھر میں ہر وقت بزرگوں کے تذکرے ہوتے اور ہم لوگوں کو بھی سناتے، صحابہ کے تذکرے بہت سناتے تھے، الفاروق علامہ شبلی نعمانی کو پڑھنے کی تلقین بہت فرماتے تھے، مولانا منظور نعمانی رحمت اللہ علیہ کی کتاب اسلام کیا ہے اس کا مطالعہ کرنے کی تلقین ہم سب گھر والوں کو کرتے تھے کہ اس کو پڑھا کرو اور قرآن آپ سے کیا کہتا ہے اسکو بھی پڑھنے کی تلقین ساتھ ہی حضرت نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی کتابوں کو اپنے مطالعے میں رکھنے کو کہا کرتے تھے، معارف الحدیث کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ بھی پڑھ لیا کرو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے مولانا منظور نعمانی رحمت اللہ علیہ نے بہت عمدہ تشریح فرمائی ہے۔ یہ سب باتوں کو بتایا کرتے تھے کون سی کتاب پڑھنا ہے کون سی نہیں پڑھنا ہے اور بزرگ کوئی بھی، اللہ کا ولی ہو، کوئی بھی بہت بڑا عالم ہو اس کے بہت بڑے قدرداں تھے۔

رات کا معمول

رات کا معمول گھر کا یہ تھا کہ عشاء کے بعد وہ فوراسو جاتے تھے خواہ کتنا ہی بڑا کوئی مہمان نہ ہو سوائے الا یہ کہ قاری سید صدیق احمد رحمت اللہ علیہ جیسی شخصیت ہو یا اس جیسا کوئی تو الگ بات ہے ورنہ سب چھوڑ کے وہ فورا سو جاتے تھے، اور تہجد کے وقت بیدار

ہوتے تھے، بہت قوت کے ساتھ بیدار ہوتے تھے، پورے گھر کو جگا دیتے تھے، ہماری والدہ اسی وقت نانا کو چائے پیش کرتی تھیں، کبھی کبھی نانا درسگاہ میں آجاتے بلکہ اکثر درسگاہ میں آجاتے تھے ہم لوگ چائے درسگاہ میں دینے جاتے تھے، فجر سے پہلے چائے پیتے تھے۔ ایک اہم بات آخری زمانے میں یہ تھی کہ عشاء کے فورا بعد سونے کے 11 بجے سوا گیارہ بجے 12 بجے بہت چیخ کے کہتے تھے ایسا تو نہیں کہ ہماری تہجد نکل گیء ہو اتنی زیادہ فکر تھی کہ تڑپ اٹھتے تھے اخر وقت تک آپ کو تہجد کا پابند دیکھا۔

کھانے پینے کا معمول

نانا جان کھانے پینے کا بہت زیادہ اہتمام نہیں کرتے تھے بلکہ تھوڑا کھاتے تھے، عبادت زیادہ کرتے تھے، ہم لوگ دیکھتے تھے رمضان کے مہینے میں عصر کے بعد ہی وہ مسجد چلے جاتے تھے اس کے بعد دعا میں مشغول ہو جاتے تھے ہماری والدہ ایک کھجور ایک پکوڑی ٹائپ کی کوئی چیز اور ایک گلاس پانی بھیج دیا کرتی تھیں بس یہی ان کا افطار تھا اس کے بعد پھر نماز کے بعد وہ کھانا کھاتے تھے بہت مختصر وہ بھی ایک چپاتی مشکل سے ایسا لگتا تھا کہ اللہ ان کو روحانی غذا عطا فرماتے تھے۔

رات آئے اور صبح چلے گئے

ایک مرتبہ نانا جان کے ساتھ کلکتہ سے آرہے تھے ٹرین لیٹ ہوگئی شام سات بجے والی ٹرین رات ایک بجے آئی اور کھانا کھاتے کھاتے دو بج گئے ہم تو سو گئے نانا اپنے معمول کے مطابق اٹھے تہجد کی نماز پڑھی تلاوت کیا اس کے بعد درجے میں فجر سے پہلے بچوں کو پڑھایا فجر بعد پڑھایا اس کے بعد کوئی ضروری مدرسے کا کام تھا اس لئے فورا لکھنو چلے گئے وہی پسنجر ٹرین 19 روپے کا کرایہ جس سے لگتا تھا اور ہم نے مدرسہ میں نصف یوم چھٹی کی درخواست دی۔

مدرسہ کے اساتذہ کے ساتھ شفقت ومحبت

مدرسے میں اساتذہ کے ساتھ شفقت رحم دلی کا بہت معاملہ فرماتے تھے گیٹ پہ بیٹھے رہتے تھے آتے جاتے اساتذہ کی خیر خیریت لیتے رہتے اگر کوئی کچھ سامان لے کے آتا تو پوچھتے کہ بھائی اس میں کیا لائے ہو اور بعض دفعہ جھولا بھی چیک کر لیتے تھے ایک مرتبہ ہمیں یاد ہے گیٹ پہ بیٹھے تھے ایک استاذ مچھلی لے کے آئے پوچھا کون سی مچھلی تو بتایا فلاں مچھلی ہے کتنے کی لائے ہو تو بتایا اتنا، فوراً اپنی جیب سے پیسہ نکال کے دیا یہ ہماری طرف سے بچوں کو ہدیہ ہے اور مدرسے کے بہت سارے اساتذہ کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ ان کا مکان ہی نہیں زمین خریدوائی اور ان کا مکان بنوایا ہے ان کو پیسے ملتے تھے ہدیہ کے طور پر وہ اپنی ذات پر یا اپنے بچوں پر نہیں خرچ کرتے تھے وہ فوراً اساتذہ میں گیا یا جو کسی بھی طرح سے ضرورت مند ہے اسکو فوراً پہنچا دیتے تھے کبھی کبھی یہ بات ہم لوگوں کو بہت گراں گزرتی تھی کہ نانا جان کو ملا ہے ہم لوگوں کو دینے کے بجائے دوسروں کو دے رہے ہیں تو اس پر کہتے تھے کہ تم لوگ نہیں جانتے ہو وہ بہت ضرورت مند ہیں۔

ایک واقعہ

ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب تشریف لائے ہمارے گھر پہ مستورات میں ان کا بیان تھا تو انہوں نے یہ جملہ کہا کہ ہمارے ابی کے بہت سارے لوگ چاہنے والے تھے بہت سارے لوگ جاننے والے تھے لیکن جو چمک جو خوشی کا اظہار جو مسرت حافظ صاحب کو دیکھ کے ان کے چہرے پہ ہوتی تھی، ہم نے اوروں کے بارے میں نہیں دیکھا۔

محمد زبیر خاں قاسمی

• • •

نانا جان کی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں

مولانا عبدالباری ندوی ابن حاجی عبدالقیوم صاحب گونڈہ
(نواسہ حضرت حافظ صاحبؒ)

ہمارے نانا حافظ محمد اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے وہ اللہ کے ایک ولی اور فرشتہ صفت انسان تھے وہ اللہ کے ان چند بندوں میں شامل تھے۔ جن کو دیکھ کر اللہ کی یاد آتی ہے۔ آپ نے اپنا روحانی سفر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سایہ عاطفت میں طے کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ مرتبہ کمال کو پہنچ گئے اور حضرت مولانا نعمانی صاحب کے منظور نظر خلفاء میں شامل ہو گئے۔

ابتدائی عمر ہی سے آپ نے قرآن مجید کی خدمت کو اپنا زندگی کا نصب العین بنالیا تھا۔ تقریباً ۱۷/۱۸/ سال کی عمر سے قرآن کریم کی تدریس سے وابستہ ہو گئے تھے اور تادم آخر قرآن مجید ہی کے سایہ میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

حضرت حافظ صاحب شروع ہی سے شب بیدار اور ذکر و اذکار کے پابند تھے، اپنی والدہ محترمہ کے بقول جب سے ہماری آنکھیں کھلیں ہم نے اپنے والد صاحب کو ہمیشہ نماز تہجد اور ذکر و اذکار کا پابند پایا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء جہاں پہلے شعبہ حفظ نہیں تھا وہاں آپ کے ذریعہ حفظ کا شعبہ وجود میں آیا۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں اس شعبہ نے کافی ترقی کر لی۔ پھر آپ کی خدمت کا دوسرا میدان مدرسہ فرقانیہ گونڈہ تھا جس کا ذرہ ذرہ آپ کا مرہون

منت ہے اس کو اپنے خون جگر سے سینچا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ حافظ صاحب اور مدرسہ فرقانیہ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہوگئے۔ شروع میں یہ ایک چھوٹا سا پودا تھا پھر اللہ کے فضل سے اور حضرت حافظ صاحب کی محنت اور کاوشوں سے مشرقی اتر پردیش کے بہترین اور مرکزی اداروں میں اس کا شمار ہونے لگا۔

ایسی نیک وولی اور فرشتہ صفت شخصیت کا حق تھا کہ اس کی پاک زندگی کو لوگوں کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا جائے اور اس کے نقش قدم کی اتباع کی جائے۔ اس کام کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے رفیق مولانا محمد سعد صاحب ندوی کو منتخب فرمایا۔ جنھوں نے آپ کی وفات کے بعد جو مضامین مختلف رسائل میں شائع ہوئے تھے ان کو کتابی شکل میں محفوظ کردیا جو بہت مفید ثابت ہوا۔ اس کا پہلا ایڈیشن چند سال پہلے شائع ہوا تھا۔ جو بہت جلد ختم ہوگیا تھا اب اس کا دوسرا ایڈیشن مزید اضافہ وترمیم کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس کتاب کو ہم سب کے لئے مفید بنائے اور حضرت حافظ صاحب کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین

عبدالباری ندوی

• • •

(دوم)

حضرت حافظ صاحبؒ اور تذکرہ اقبال

اہل علم وادب کی نظر میں

یادگار سلف

حضرت الحاج حافظ محمد اقبالؒ

حضرت مولانا محمد عبد السلام صاحب فتح پوری
خلیفہ مجاز بیعت حضرت صوفی قاری نور الزماں الہ آبادیؒ
وسابق استاذ مدرسہ اسلامیہ فتح پور یوپی

قدیم طرز کے حافظ، ولی کامل، عارف باللہ، حافظ با عمل یعنی استاذ العلماء والحفاظ القرآن جن کا نام نامی اسم گرامی اسم بامسمّیٰ حافظ محمد اقبال گونڈوی، معروف مدرسہ فرقانیہ گونڈہ جو مشرقی یوپی کا ضلع ہے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ سے فراغت تکمیل کے معاً بعد برسوں استاد رہے پھر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی ومناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے شدید اصرار پر 20 سال دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں ایک کامیاب استاد حفظ رہے بلا شبہ جن کی پوری زندگی یعنی حیات مبارکہ خدمت قرآن و دین میں لگی اور بلا شبہ ان کے ہزاروں شاگرد بلاواسطہ یا بالواسطہ ہند و بیرون ہند میں خدمات دین انجام دے رہے ہیں۔ اکابر دین کے منظور نظر و محبّ رہے جن کو دیکھ لیں اور صحبت میں بیٹھنے سے خدا کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

احقر کے شیخ اول واستاد محترم حضرت اقدس باندوی رحمۃ اللہ علیہ بانی وناظم

مدرسہ ہتھورہ ضلع باندہ سے خصوصی تعلق تھا حضرت کی خدمت میں ہتھورا جاتے تھے اور آپ ہی کے ایما پر حضرت قاری صاحب باندوی رحمت اللہ علیہ نے موجودہ شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ حضرت مولانا الحاج محمد ذکریا صاحب سنبھلی قاسمی دامت برکاتہم کو ہتھورا برسوں تدریس کے لیے تقرر فرمایا، احقر کے پھوپھا مفسر قرآن حضرت مولانا الحاج محمد اویس صاحب نگرامی ندوی شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تھے جو کہ شاگرد وخلیفہ مجاز بیت حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ ندوۃ میں شیخ التفسیر تھے اور یہ بات کم ہی لوگوں کو معلوم ہوگی کہ عارف باللہ حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ فراغت مظاہر علوم سہارنپور کے بعد مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں کچھ عرصہ تدریس پر فائز تھے بعدہ اپنے وطن ہتھورا سے قریب ہونے کی بنا پر احقر کے مادر علمی مدرسہ اسلامیہ شہر فتحپور میں آزادی سے قبل سن 1946 عیسوی تھا 1949 تک درس دیا پھر مدرسہ جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ کی بنیاد 1952 میں ڈالی کیونکہ اطراف قرب و جوار باندہ میں لوگ ارتداد کا شکار ہورہے تھے اور کثرت سے مسلم سے غیر مسلم ہورہے تھے تو آپ سے بالکل برداشت نہ ہوسکا فوراً مدرسہ سے استعفیٰ دے کر اطراف باندہ کا دورہ کیا اور اپنا مدرسہ قائم کیا۔

حضرت حافظ صاحب کی سوانح حیات پر مشتمل یہ کتاب تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبال گونڈوی یعنی مختصر سوانح حیات نامور علماء کرام واکابرین کے تاثرات کی روشنی میں جس کے مرتب عزیزی مولوی حافظ قاری مفتی الحاج محمد سعد خاں ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ نائب امام مسجد رئیس باغ تلک نگر کانپور نے یکجا مرتب کر کے دوبارہ شائع کرنے کا عزم مصمم کیا ہے عزیز موصوف کی یہ کاوش قابل قدر ولائق مطالعہ اور مبارک باد حقیقی کے مستحق ہیں اور ان کی خوش نصیبی اور خوش قسمتی ہے کہ اپنے استاد

محترم حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات شائع کر رہے ہیں مجھ ناچیز سے پیہم درخواست و اصرار کیا کہ آپ بھی تحریر کردیں حالانکہ احقر اپنے مزاج کے برخلاف اکابر دین کے ہوتے ہوئے اپنی ناکارہ تحریر پیش کرنے ولب کشائی کرنے میں شدت کے ساتھ معذرت کر دیتا ہے اس لیے احقر کی ناکارہ تحریر خال خال شاذ و نادر کہیں مشکل سے نظر آجائے مگر رفیق محترم مولانا مفتی محمد عرفان خاں صاحب قاسمی بہرائچی مبلغ دارالعلوم دیوبند و رفیق محترم مولانا مفتی عبدالجلیل خاں صاحب قاسمی بہرائچی ناظم اوقاف مدرسہ شاہی مرادآباد خصوصاً ان کے والد محترم اور احقر کے رفیق محترم جناب مولانا الحاج محمد انیس خاں قاسمی صاحب امام وخطیب مسجد رئیس باغ تلک نگر کانپور سے دیرینہ خصوصی تعلقات ومحبت کی بنا پر معذرت کرنے سے بالکل قاصر رہا۔

اللہ پاک کتاب مذکور کو ہم سب کے لیے پوری ملت اسلامیہ کے لیے نافع اور مرتب سوانح کتاب کیلئے زاد آخرت بنادے۔

آمین ثم آمین برحمتک یا ارحم الراحمین

مولانا محمد عبدالسلام فتح پوری
خلیفہ مجاز بیعت حضرت صوفی قاری نورالزماں الہ آبادی
وسابق استاذ مدرسہ اسلامیہ فتح پور یوپی

• • •

خدمت دین کے
بہت سے شعبہ میں ان کی فکرمندی

مولانا بشیر احمد صاحب قاسمی
مہتمم مدرسہ صدیقیہ بیت العلوم، بھانپور گونڈہ

ماشاء اللہ قابلِ قدر اور لائق مبارک باد ہیں آپ کہ آپ نے حضرت حافظ اقبال صاحب جیسی عظیم شخصیت پر ان کی سوانح مرتب فرمائی ہے۔اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے سرفراز فرمائیں۔اور اس کا ثمرہ آپ کے والد گرامی کو بھی عطا فرمائیں اس کا دوسرا ایڈیشن ضرور شائع کریں۔

حضرت حافظ صاحب پر میرا کوئی مضمون تو نہیں ہے مگر آخری چند سال انجمن محمدی اترولہ کے پلیٹ فارم سے ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کا موقع ملا جس سے ان کے توکل، اخلاص عمل، خدمت دین اور دین کے بہت سے شعبہ جات میں ان کی فکرمندی لائق ستائش ہیں۔ اور ضعف کے باوجود ایسے جذبات کا عملی نمونہ دیکھ کر عقیدت میں مزید اضافہ ہوا۔ ویسے تو پوری عمر اور اتنی طویل مدّت تک بغیر انقطاع کے شب وروز دارالعلوم ندوۃ العلماء سے مدرسہ فرقانیہ تک مسلسل والہانہ محبت اور عشق کی حدتک تعلق کے ساتھ قرآن کریم کی تدریس اور انتہائی خلوص، محبت اور للّٰہیت کے ساتھ مشرقی یوپی میں تجدید واحیائے دین کا علمبردار

مدرسہ فرقانیہ کی آبیاری اور اتنے لمبے عرصہ تک انتظام وانصرام کیا کچھ کم ہے؟ غالباً سنہ ۱۹۹۴ء میں مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں حضرت حافظ اقبال صاحب علیہ الرحمۃ کی صدارت میں امارت شرعیہ اتر پردیش کی ایک بہت بڑی اور عظیم کانفرنس ہوئی تھی۔ جس میں فدائے ملت حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ نے بحیثیت صدر جمعیت علمائے ہند یا امیر شریعت ہند۔ اور حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی مدظلہ ودیگر کبار علماء نے شرکت فرمائی تھی۔ اس وقت میں نے حافظ صاحب کی جانب سے کانفرنس میں پیش کرنے کے لئے مطبوعہ خطبہ استقبالیہ لکھا تھا جسے میں نے ہی پڑھا بھی تھا۔ مجھے یاد نہیں ہے اس میں کیا کیا لکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ ان کی تمام مساعی جمیلہ اور خدمات کو قبولیت سے نواز کر حافظ صاحب کو اپنی شایان آخرت میں اعلی سے اعلی مقام عطا فرمائیں۔

• • •

نقوش رفتگاں

حضرت حافظ محمد اقبال مرحوم سے پہلی اور آخری ملاقات

چند احساسات اور تاثرات

مفتی رحمت اللہ ندوی

استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

بات ہے آج سے تقریباً اٹھارہ سال قبل ۲۰۰۶ء کی، یعنی حافظ محمد اقبال گونڈوی مرحوم کی وفات سے دو سال پہلے کی، جب خاکسار مدرسہ فلاح المسلمین تیندوہ، رائے بریلی میں تدریسی خدمت انجام دے رہا تھا۔ وہاں مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے مدرس قاری محمد اقبال صاحب عرف پٹّن کے صاحبزادہ عزیزم محمد ارشاد ندوی سلمہ زیر تعلیم تھے۔ میرے وطن آنے اور جانے کا راستہ گونڈہ سے ہی تھا، عزیزم محمد ارشاد سلمہ کا تقاضا اور اصرار رہا کہ کبھی ہمارے یہاں تشریف لائیں، ان کے اصرار اور خواہش نیز مدرسہ فرقانیہ گونڈہ جو وہاں اور پورے علاقہ کا قدیم ومشہور ادارہ ہے، گورکھپور، مہاراج گنج اور دیگر اضلاع سے طلبہ یہاں کا رخ اس کے حفظ وتجوید کی اچھی اور مثالی تعلیم اور شہرت کی وجہ سے کرتے تھے، ہمارے بعض عزیز بھی یہاں تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ اس لئے اس ادارہ کی زیارت اور وہاں کے مہتمم حضرت حافظ محمد اقبال گونڈوی سے ملاقات کا شرف کئی ایک اسباب جمع ہو گئے اور بالآخر ایک بار گونڈہ سے گزرتے ہوئے ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ عزیزم محمد ارشاد سلمہ کے یہاں مہمان ہوا، مدرسہ فرقانیہ کی زیارت کی، مفتی نعمت اللہ صاحب اور مولانا عبدالحفیظ ندوی صاحب (داماد حافظ محمد اقبال مرحوم) سے ملاقات کے بعد مسجد میں درجہ حفظ کی طرف حافظ محمد اقبال صاحب مہتمم مدرسہ سے ملاقات کے لئے رخ کیا۔ اس وقت بھی حافظ صاحب اپنی پیرانہ سالی اور ضعیفی کے باوجود حفظ کی کلاس

لے رہے تھے اور جتنے طلبہ دیگر اساتذۂ کرام کے پاس تھے، حافظ صاحب کے پاس بھی ان سے کم طلبہ نہ تھے۔ یہ دیکھ کر میں دنگ رہ گیا اور خادم قرآن کے جواں عزم اور بلند حوصلہ اور خدمت قرآن کے شوق وجذبہ کو دیکھ کر حیران ہوگیا، اس سے زیادہ تعجب خیز واقعہ یہ پیش آیا کہ حافظ صاحب کے سامنے کوئی استاد بیٹھے تھے، جن کو خطوط کے جوابات املا کرا رہے تھے، دائیں بائیں دو طالب علم بیٹھے سبق سنا رہے تھے اگر کوئی غلطی کرتا تو ٹوکتے، خط کا املا کراتے اور ساتھ ساتھ ہماری خیریت بھی پوچھتے جاتے۔

میں یہ منظر دیکھ کر ششدر رہ گیا اور اس خیال میں گم ہوگیا کہ یہ کوئی انسان ہے یا جن؟ جو نوے سال سے متجاوز عمر میں بیک وقت کئی کام انجام دے رہا ہے، اگر اس منظر کا میں خود عینی شاہد نہ ہوتا تو شاید یقین کرنا مشکل ہوتا، کیوں کہ ہم نے تو یہ پڑھ رکھا تھا کہ "مَاجَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِه" (اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہیں بنائے) اور انسان ایک وقت میں ایک ہی کام کے لئے یکسو ہو سکتا ہے، بیک وقت ایک سے زائد کام نہیں کر سکتا۔

البتہ کتابوں میں علامہ عبدالحی لکھنویؒ کے بارے میں کہیں یہ ضرور پڑھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک وقت میں کئی کام کرنے کی صلاحیت اور قدرت دی تھی، لیکن ایسا خال خال ہی ہوتا ہے۔ پھر ۲۰۰۹ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا اٹھارہواں فقہی سیمینار جامعۃ الریحان عربک کالج، مدورائی (تملناڈ) میں ہوا، سیمینار کے اختتام کے بعد جب ملاقات کے لیے محترم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دام مجدہ کے پاس حاضر ہوا، تو وہاں ایک صاحب اپنی کتاب پر مقدمہ لکھا رہے تھے، مولانا ان کو املا کرا رہے تھے، اسی دوران ہم چند لوگ پہنچ گئے، مولانا ایک جملہ بول دیتے، پھر ہم لوگوں سے مخاطب ہوتے، پھر جب وہ لکھ کر فارغ ہو جاتے تو دوسرا جملہ بول دیتے، اسی طرح جب دو صفحے ہو گئے تو ان سے پوچھا اتنا کافی ہو گیا اور اختتامی جملہ لکھا دیا، نہ

ان سے پڑھوا کر دوبارہ سنا اور نہ کسی جملہ سے قبل یہ پوچھا کہ اس سے قبل کیا لکھا؟ حافظ اقبال صاحب کے بعد مولانا موصوف دوسرے شخص ہیں جن کو ایک ہی وقت میں دو کام کرتے دیکھا۔

حضرت حافظ صاحب کی اس زیارت وملاقات سے ذہن ودماغ کے کینوس پر کئی نقوش مرتسم ہوئے اور کچھ تصویریں ابھر کر سامنے آئیں، ان کو دیکھ کر ان کی سادگی، تواضع، بے تکلف زندگی، دنیا سے بے رغبتی، درس وتدریس سے شغف وشیفتگی، قرآن کریم سے تعلق ووابستگی، اس کی عظمت وبرتری، کلام اللہ پر پختہ یقین، اخلاص وللّٰہیت، احساس ذمہ داری، مدرسہ اور طلبہ کے تئیں ان کی فکرمندی ودردمندی، اپنی خداداد صلاحیت سے خوب نفع رسانی، عوامی رابطۂ عامہ، طلبہ کے مستقبل کی فکر، ان کی زندگی کی تعمیر وغیرہ جیسے تاثرات قائم ہوئے، یقیناً وہ مردمومن اور مومن کامل تھے۔ ان کے اندر ایمانی وقرآنی کرنٹ دوڑ رہا تھا، اسی وجہ سے سادگی کے باوجود بھی تمام طلبہ واساتذہ پر ایک دبدبہ، رعب، ہیبت اور ان کے ساتھ الفت ومحبت تھی، آپ سے پہلی بار ملاقات کرنے والا بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا، بلاشبہ وہ سلف کی یادگار تھے، ان کی وضع اور طرز زندگی سلف صالحین کی یاد دلاتا تھا، وہ نمونہ تھے کئی ایک چیز میں۔

حافظ صاحبؒ کا نام ندوہ میں اسی وقت سن رکھا تھا جب میں یہاں زیر تعلیم تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ ندوہ میں شعبۂ حفظ کے بانی آپ ہی ہیں، اور آپ سے ہی ندوہ میں شعبۂ حفظ کا آغاز ہوا۔ لیکن کبھی ملاقات اور زیارت کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس دیرینہ آرزو کی تکمیل ۲۰۰۶ء میں ہوئی جس کا ذکر پچھلی سطور میں کیا گیا۔

حافظ صاحب نے پورے بیس سال (۱۹۵۶ء تا ۱۹۷۶ء) ندوہ میں حفظ کی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دی، ان کا دور ایک مثالی دور تھا، اس دوران ان کے شاگردوں کی پوری کھیپ کی کھیپ تیار ہوگئی جن میں سے ایک بڑی تعداد نے انہیں کے طرز

پرحفظ کی تعلیم وتدریس کی خدمت انجام دینے میں اپنی پوری زندگی وقف کردی اورمختلف علاقوں میں اسی نہج پر حفظ کا نظام قائم ہوا، جو بہت مفید اور پائیدار رہا۔

حفاظ کرام میں بہت کم ایسے خوش نصیب ہوں گے جن کو حافظ صاحب کی طرح طویل عمر بھی ملی ہو اور انہوں نے اپنی پوری زندگی خدمت قرآن اور تعلیم قرآن اور عمل بالقرآن کے لیے وقف کردی ہو۔ یہ حافظ صاحب کی زندگی کا نمایاں اور درخشاں پہلو اور امتیازی وصف ہے۔ ان کے شاگردوں میں بہت سے جید ومجود حافظ، عالم، مفسر اور نامور حضرات ہیں جو آپ کے لئے مستقل صدقۂ جاریہ ہیں۔

کسی بھی آدمی کی اصل کامیابی اور آخروی فلاح وسرفرازی یہ ہے کہ اسے ''درازیٔ عمر اور حسنِ عمل'' کی دولت نصیب ہوجائے۔ اسی کو حدیث شریف میں سب سے بہتر انسان کہا گیا ہے۔ ''خیر الناس من طال عمرہ وحسن عملہ'' (لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جس کی عمر لمبی اور عمل بہتر ہو) پھر جب تقویٰ وپرہیز گاری، صبر واستقامت، زہد وقناعت، استغنا وبے نیازی، تعلق مع اللہ، لذت تلاوت قرآن اور اس کی حلاوت وخدمت بھی میسر آجائے تو پھر کیا کہنا؟ لطف ہی دوبالا ہوجائے گا۔ ایسا شخص قابل صدرشک بن جائے گا۔ اور حافظ قرآن جو باعمل ہو وہ تو ہے ہی لائق رشک اور قابل فخر۔ اس دولت کے سامنے ساری دنیا کی دولت ہیچ اور اس نعمت پر تمام سلطنتیں قربان۔

مجھے بے حد مسرت ہے کہ حضرت حافظ صاحبؒ کے ایک فیض یافتہ اور محبّ عزیز گرامی مولوی محمد سعد خاں ندوی سلمہ نے مرحوم پر ایک مختصر رسالہ مرتب کیا ہے جو بقامت کہتر بقیمت بہتر کا مصداق ہے، مختلف نامور اہل قلم اور حافظ صاحب کے متعلقین کے کچھ طویل اور کچھ مختصر مضامین اور تاثرات، احساسات اور واردات قلب پر مشتمل یہ تذکرہ حافظ صاحبؒ کی زندگی کے مخفی پہلو اور نمایاں گوشے اجاگر کرتا اور ان کے اوصاف، خصوصیات اور کمالات وامتیازات کو روشن کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ جو مرتب

کے لئے خوش بختی اور سعادت مندی کی بات ہے۔ کیوں کہ بزرگوں کے حالات زندگی سے نسل نو کو آگاہ کرنے اور واقف کرانے کا جہاں ایک فائدہ آئندہ نسلوں کو ملتا ہے کہ وہ روشنی حاصل کرتی ہیں اور اپنے لئے لائحۂ عمل طے اور نظامِ زندگی ترتیب دیتی ہیں، وہیں ان احوال وکوائف سے زندگی میں عزم وحوصلہ اور جوش وولولہ پیدا ہوتا ہے اور نشان منزل سے منزل مقصود تک رسائی آسان ہوجاتی ہے۔

عزیز مؤلف نے یہ تذکرہ حافظ صاحبؒ کی وفات کے سات آٹھ سال بعد بعجلت مرتب کیا تھا، بہت سے لوگوں کے مضامین موصول نہ ہوسکے تھے یا ان تک رسائی نہ ہوسکی تھی۔ اب اس کا نیا اضافہ شدہ ایڈیشن منظر عام پر آرہا ہے جس میں اہل خانہ ودیگر قربت وقرابت رکھنے والے حضرات کے مضامین کی شمولیت کے ساتھ پہلی طباعت کے اغلاط کی تصحیح بھی ہوگئی ہے۔ جس سے اس کی اہمیت وافادیت دوچند ہوگئی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ یہ تذکرہ شوق کے ہاتھوں لیا جائے گا اور ذوق کی نظر سے پڑھا جائے گا اور وہ اہل علم واصحاب بصیرت کے لئے سرمۂ چشم ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے، ان کے لئے علم وتحقیق کی راہیں ہموار فرمائے اور اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے۔ حضرت حافظ صاحبؒ کی بال بال مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

• • •

تذکرہ حافظ محمد اقبال صاحبؒ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

خادمِ تدریس کلیۃ الشریعۃ دار العلوم ندوۃ العلماء
و معاون مدیر "تعمیر حیات"، ندوۃ العلماء

حافظ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان مبارک ہستیوں کی فہرست میں شامل ہیں جن کے ذکر سے ابتدائے عمر سے ہی سماعت کو آشنائی حاصل رہی، اور ان کا ادب و احترام نہاں خانۂ دل میں جاگزیں ہوا۔

حافظ صاحبؒ سے تعارف کا بڑا ذریعہ یہ تھا کہ خالِ محترم مولانا محمد عبد الرشید بلیاوی مظاہری استاذ فقہ وحدیث مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین وصاحبزادہ لسانِ تبلیغ حضرت مولانا محمد عبید اللہ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ صاحبؒ سے ندوۃ العلماء میں حفظ کی تعلیم حاصل کی، ان سے چھوٹے خال محترم مولانا محمد عبد الرحیم بلیاوی مظاہری کا یہ شرف حاصل تھا کہ حافظ صاحبؒ نے بھٹنی کے مدرسہ میں ان کا امتحان لیا تھا، میرے خالہ زاد مفتی محمد وصی اللہ بلیاوی نے مدرسہ فرقانیہ، گونڈہ میں ان سے شرفِ تلمذ حاصل کیا تھا، اور خالہ زاد مولوی خلیل اللہ قاسمی، مولوی نور اللہ قاسمی، حافظ محمد ریحان ملی، ماموں زاد حافظ مولوی عبد الحمید منصور اور مفتی مسعود مظاہری ضیائی، اور مولوی محمد ابوبکر شارق سلمہم اللہ جمیعا، نے حافظ صاحبؒ کے زیرِ اشراف مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں حافظ پٹن صاحب مرحوم سے حفظ کی تعلیم حاصل کی تھی۔

اس طرح ان سے اک خاندانی ربط وتعلق قائم ہوگیا تھا، اور یہی وجہ تھی کہ ندوۃ العلماء سے آکر جب انھوں نے گونڈہ میں مدرسہ فرقانیہ کی باگ دوڑ سنبھالی تو اس کی اقتصادی ذمہ داریوں کی بنا پر رمضان شریف میں ان کا سفر بلادِ عرب کا ہوتا

تھا، جہاز دہلی سے ملتا تھا، تو وہ سفر سے ایک شب یا ایک روز قبل دہلی آکر ہم لوگوں کے پاس ہی مرکز نظام الدین میں نانا جان رحمۃ اللہ علیہ کے 'حجرہ' میں قیام کرتے تھے۔ یہیں پر متواتر کئی سال آپ کی زیارت ہوتی رہی، خدمت کا شرف حاصل رہا، اور شخصی اوصاف وکمالات سے متعارف ہونے کا موقع بھی ملتا رہا۔

کھلتا ہوا گندمی رنگ، نورانی چہرہ، سفید براق لباس......لگتا تھا کہ آسمان سے کوئی فرشتہ اتر آیا ہے، ان سے ملاقات وگفتگو کرکے ان کے جنتی ہونے کا گمان ہوتا، اور یہ خیال آتا کہ شاید اخلاص وتقوی سے معمور کلام اللہ کے ساتھ تعلیم وتعلم اور تلاوت کا شغف انسان کو ایسا ہی بنا دیتا ہے۔

حافظ صاحبؒ انتہائی ملنسار، نرم وشیریں لب ولہجہ کے مالک اور سراپا شفقت تھے؛ لیکن ساتھ ہی ان کی شخصیت میں ایک طرح کا جلال اور رعب بھی تھا، جو سامنے والے کو ادب ملحوظ رکھنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ یہ اجتماعِ ضدین والی صفت بھی بہت کم لوگوں میں دیکھی ہے، کہ گویا حسنِ اخلاق کی شبنم سے جلالِ قرآنی کی تپش اٹھتی تھی، اور ہم نشین سرد وگرم کی آمیزش میں ڈوب کر رہ جاتا تھا۔ یہی وہ حسنِ تضاد ہے کہ جب شاعر اس کا لطف اٹھانا چاہتا ہے تو کہتا ہے ؎

کچھ بات ہو نہ بات ہو، بس مسکرایئے
شعلوں کے بیچ اولے سجا کر دکھایئے

حزیںؔ کاندھلوی

مرورِ زمانہ کے ساتھ حافظ صاحبؒ کی شخصیت بھی طاقِ نسیاں کے نذر ہوتی جا رہی تھی کہ اچانک برادر عزیز محمد سعد ندوی کوآرڈینیٹر آل انڈیا پیامِ انسانیت، کانپور کا بذریعہ واٹس ایپ ایک پیغام موصول ہوا، جس کے ساتھ ''تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبالؒ'' کا ڈیجیٹل نسخہ بھی منسلک تھا۔ اس پیغام سے یہ خوش کن انکشاف ہوا

کہ موصوف بھی حافظ صاحبؒ کے تلامذہ و مستفیدین میں شامل ہیں، اور ان کی یہ سعادت کہ انھوں نے ان کی شخصیت پر مضامین کی جمع و ترتیب کا کام بھی انجام دیا ہے۔ برادرِ عزیز کی یہ تالیف اور اس کے مضامین پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے دماغ سے ایک دھندسی چھٹ گئی، اور حافظ صاحبؒ کی یاد کچھ اس طرح ابھر کر آئی کہ کافی دیر تک قلب و دماغ اسی میں ڈوبے رہے، اور لذتِ حضوری حاصل رہی۔

”تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ“ کا یہ دوسرا ایڈیشن ہے، جو قابلِ قدر اضافہ اور مزید اہتمام کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس میں ممتاز اہل علم و فضل اور اصحاب انشاء و قلم کے مضامین ہیں، جو حافظ صاحبؒ کی شخصیت و کردار کے مختلف گوشوں سے بحث کرتے ہیں، اور انھوں نے قرآنِ کریم کی جو عظیم خدمت انجام دی ہے اس کے مقام و معیار کا ذکر ان مضامین میں بخوبی آ گیا ہے۔

ان مضامین کے مطالعہ سے قاری کو وہ اعلی کردار بھی معلوم ہوتا ہے جو اسلاف میں حفاظ و قراء اختیار کرتے تھے، اور امت کے لیے نمونہ بنتے تھے، اور یہ واقفیت بھی حاصل ہوتی ہے کہ حافظ صاحب محض عام مکتب تحفیظ کے استاذ نہیں تھے بلکہ تحفیظ کے میدان میں وہ ایک مکتبِ فکر تھے؛ ان کا طریقہ اور منہج آج بھی ان کے عظیم شاگردوں کے ذریعہ زندہ ہے، اور اس کا فیض امت اسلامیہ ہندیہ آج بھی اٹھا رہی ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس فیض کو صاحبِ فیض کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، سعد سلمہ کی اس کاوش کو قبولیت سے نوازے، اور زیادہ سے زیادہ نافع بنائے۔

راقم مؤلف کا شکر گذار ہے کہ اس نے ایک مبارک شخصیت کے بارہ میں کچھ تحریر کرنے کا موقع دیا، کہ صالحین کا ذکر بھی نفع و خیر سے خالی نہیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

• • •

حضرت حافظ صاحبؒ کا دورِ اہتمام

ترقی کا عہد آفریں

مولانا محمد فضیل صاحب قاسمی

استاذ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ

حضرت حافظ محمد اقبالؒ صاحب ورع و تقوی، اذکار و اشغال اور نوافل کے پابند صاحب نسبت اور خدا ترس بزرگ، زاہد فی الدنیا عالم اسلام کے مشہور و معروف حافظ، شہنشاہ حفاظ اور عاشق قرآن تھے۔ مدرسہ فرقانیہ کے پہلے متعلّم اور حضرت قاری عبدالوہاب صاحب کے خاص الخاص شاگرد رشید اور عظیم مدرس و قابل قدر مہتمم تھے۔

ولادت

حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کی پیدائش بقول ان کے ۱۹۱۷ء/۱۳۳۵ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام عبداللہ تھا۔ آپ شہر گونڈہ سے تقریباً پندرہ کلومیٹر دور ایک چھوٹے سے گاؤں کرم ڈیہہ کے رہنے والے تھے۔

خاندانی پس منظر

حافظ صاحبؒ کا جس خاندان سے تعلق تھا وہ اپنی شرافت و نجابت کی وجہ سے بہت مشہور تھا آپ کے والد حاجی عبداللہ صاحب بہت نیک صفت، صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے، والدہ صاحبہ بھی بہت سے اوصاف حمیدہ کی مالکہ تھیں۔

(تذکرہ حافظ اقبال ص:۱۲)

تعلیم وتربیت

ابتدائی تعلیم تو گھر پر ہی حاصل کی لیکن رسم زمانہ کے مطابق ۱۹۲۹ء/۱۳۴۸ھ میں بہرائچ کے ایک اسکول میں داخلہ لیا لیکن وہاں دل نہ لگا اور تھوڑے ہی دنوں بعد گونڈہ آگئے اور اسی سال یہاں قصبہ دھانے پور کے ایک اسکول میں داخلہ لیا اور وہیں سے مڈل پاس کیا۔

اور محمد سعد خاں ندوی کے بقول ابتدائی تعلیم سے لیکر مڈل تک کی تعلیم ہلدھر مؤ سے اور مڈل پاس کیا قصبہ دھانے پور سے۔ لیکن حافظ صاحب علیہ الرحمہ کو عصری تعلیم سے طبعی مناسبت نہ ہوسکی، اس لئے مڈل سے آگے کی پڑھائی جاری نہ رکھ سکے۔ اور دینی تعلیم کا داعیہ دل میں پیدا ہوا، اپنے والد اور خاندان کے دیگر بزرگوں کے مشورہ سے ۱۹۳۲ء/۱۳۵۱ھ میں وہ لکھنؤ گئے اور وہاں حضرت مولانا عین القضاۃ صاحب کے مشہور ادارے مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں شعبۂ حفظ میں داخل ہوئے اور حافظ معصوم علی صاحب کے درجہ کا انتخاب عمل میں آیا حضرت حافظ صاحبؒ نے بڑے انہماک کے ساتھ پڑھنا شروع کیا اس وقت اتفاق سے قاری عبدالوہاب صاحب علیہ الرحمہ عالمی شہرت یافتہ قاری عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معین کی حیثیت سے فرقانیہ لکھنؤ میں موجود تھے حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کو ان سے بڑی تقویت ملی اور حافظ صاحب علیہ الرحمۃ نے قاری صاحب علیہ الرحمۃ سے وہاں استفادہ کیا۔ (مستفاد از مضمون پروفیسر ضیاء الحسن ندوی صاحب)

گونڈہ واپسی

۱۹۳۴ء میں قاری عبدالوہاب صاحب علیہ الرحمۃ گونڈہ کے بعض صحیح العقیدہ مسلمانوں کے اصرار پر مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں خدمت سے معذرت کر کے اپنے

وطن گونڈہ واپس آگئے اور یہاں مدرسہ کی بنیاد ڈالی اس کا نام بھی انہوں نے مدرسہ فرقانیہ تجویز کیا تھوڑے ہی دن بعد حضرت قاری عبدالوہاب صاحب علیہ الرحمۃ نے حافظ محمد اقبال صاحب کو بھی اپنے پاس ہی گونڈہ ہی بلالیا اور وہیں انہیں کی زیر نگرانی ان کا حفظ مکمل ہوا۔ (مستفاد از مضمون مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی)

حفظ کی تکمیل

۱۹۳۵ء/۱۳۵۴ھ میں آپ قرآن کریم کے حافظ ہوگئے اور تکمیل حفظ کی سعادت مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں حاصل کی بایں طور حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے سب سے پہلے حافظ ہونے والے شخص ہیں گویا کہ حضرت حافظ صاحب ہی سے مدرسہ ہذا میں حافظ ہونے کی بنیاد پڑی اور پھر حافظ صاحب کے بہترین آغاز سے ہزاروں حفاظ نے تکمیل قرآن کی یہاں سعادت حاصل کی تاہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ مدرسہ ہذا سے جتنے بھی حافظ ہوتے رہیں گے ان میں سرفہرست حضرت حافظ صاحب ہی کا نام رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب میں برابر کے حصہ دار بھی رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ فرقانیہ گونڈہ سے بنیادی فیض حاصل کر کے مدرسہ ہذا کی سرزمین سے عوام وخواص کو سب سے زیادہ فیضیاب حضرت حافظ صاحب ہی نے کیا ہے۔ فرقانیہ کی تاریخ میں کسی کے علم کا فیضان اتنا جاری نہیں ہوا جتنا کہ حافظ صاحب کے علوم ومعارف کا فیضان جاری ہوا۔ اور یہ سب حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرہونِ منت ہے اور اس کا پورا صلہ حضرت قاری صاحب کو ضرور ملتا ہوگا۔

درس وتدریس

حافظ صاحب علیہ الرحمۃ محنتی، پابندی وقت کے عادی اور سب سے بڑی بات بانی مدرسہ قاری عبدالوہاب صاحب علیہ الرحمہ کے معتمد تھے اس لئے فراغت

کے بعد اسی مدرسہ میں بحیثیت استاد ۱۹۳۵ء/۱۳۵۵ھ میں ان کا تقرر ہوا اولاً شعبۂ ناظرہ میں استاد رہے۔ حافظ صاحب علیہ الرحمۃ نے ناظرہ بڑی محنت سے پڑھایا اوران کے درجہ کا نتیجہ سب سے اچھا رہا اور دوسرے سال بھی ان کی محنت وکارکردگی ممتاز ونمایاں رہی تو اراکین مدرسہ کے اصرار پر انہیں درجۂ حفظ دیدیا گیا۔ حضرت کی محنت ولگن سے درجہ حفظ کا معیار بہت اونچا ہوگیا دور دور تک مدرسہ کی شہرت ہوئی اور طلباء آئے۔

نکاح

۱۹۳۵ء/۱۳۵۵ھ میں جب آپ مدرسہ فرقانیہ کے مدرس بنے اسی سال حضرت قاری عبدالوہاب صاحب نے اپنی اکلوتی ہمشیرہ سے آپ کا نکاح کردیا۔

مدرسہ فرقانیہ سے علاحدگی

حضرت قاری عبدالوہاب صاحب علیہ الرحمۃ کی زندگی تک حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلچسپی اور حوصلہ روز افزوں ترقی پر رہا لیکن ان کے انتقال کے بعد اس میں فرق آگیا جو حافظ صاحب کو راس نہ آیا تو حافظ صاحب نے جامعہ ہتھورا باندہ میں پڑھانے کا ارادہ فرمالیا اور حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی علیہ الرحمۃ سے ملنے کی غرض سے باندہ کا سفر کیا۔ یہ واقعہ ۱۹۵۶ء/۱۳۷۶ھ میں حضرت قاری عبدالوہاب صاحب علیہ الرحمۃ کے انتقال کے تقریباً چار سال بعد پیش آیا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تحفیظ القرآن کی بنیاد

حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمۃ نے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ سے جامعہ ہتھورا باندہ کیلئے رخت سفر باندھا تھا اور گونڈہ سے باندہ کے راستہ میں اتر پردیش کی راجدھانی لکھنؤ بھی ہے اس وقت حافظ صاحب کے پیر ومرشد حضرت مولانا منظور

احمد صاحب نعمانیؒ لکھنؤ میں مقیم تھے حضرت حافظ صاحبؒ نے اپنے شیخ ومرشد کے پاس تبلیغی مرکز مسجد میں قیام کیا اور شیخ سے اپنی بے چینی کا اظہار کیا اور باندہ میں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں تدریس کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ اتفاق سے حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی علیہ الرحمۃ وہاں موجود تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ حضرت حافظ صاحب کو بلا کر الگ لے گئے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ایک شعبہ تحفیظ القرآن کے نام سے قائم کرنے کا مشورہ دیا حضرت حافظ صاحب اپنے شیخ ومرشد سے مشورہ کرکے راضی ہوگئے اور کچھ شرائط بھی رکھیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم صرف صبح ہوتی ہے ہم دونوں ٹائم صبح وشام درجہ لگائیں گے۔

(۲) بعد نماز مغرب اور بعد نماز عشاء پڑھائی ہوگی اور فجر کے ایک گھنٹہ قبل بچوں کو بیدار کریں گے۔

(۳) گرمی اور سردی میں جو چھٹی ہوتی ہے وہ چھٹی ہم حفظ کیلئے منظور نہیں کریں گے۔

حضرت مولانا علی میاں ندوی علیہ الرحمۃ نے جب یہ شرائط سنیں تو خوشی سے اچھل پڑے اور فرمایا کہ آپ کی ساری شرائط منظور ہیں۔

بہرحال حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمۃ نے تحفیظ القرآن کی بنیاد رکھی اور ۱۹۵۶ء/۱۳۷۶ھ کو تحفیظ القرآن کے بانی صدر اور استاد قرار پائے۔ جب تک حافظ صاحب یہاں رہے پورے اخلاص سے کام کیا درجہ کے ہر کام کو اپنا نجی کام سمجھا اور اس شعبہ کو بامِ عروج تک پہنچایا۔

حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کا فیض ندوۃ العلماء سے جاری ہوا

حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں کہ حافظ صاحب

گونڈہ سے ندوۃ العلماء حفظ کیلئے بلائے گئے اور انہوں نے پوری دلچسپی کے ساتھ کام کو چلایا اور ایک مؤثر نظام بنایا جس کا اچھا نفع حاصل ہوا اور اس سے اچھے شاگرد تیار ہوئے پھر وہ گونڈہ کے مدرسہ کے تقاضے کی بناء پر وہاں واپس گئے اور یہاں درجہ حفظ کو ان ہی کے شاگردوں نے سنبھالا اور انہیں کے اختیار کردہ طریقہ پر چلایا اور الحمدللہ آج بھی اسی طریقہ پر حفظ کا نظام دارالعلوم ندوۃ العلماء میں قائم ہے اور اس سے طلبا فائدہ اٹھارہے ہیں۔اور پھر مزید یہ کہ ندوۃ العلماء کی دیگر شاخوں میں بھی اسی طرز پر حفظ کا نظام چلایا جارہاہے اور قرآن مجید کا فیض ندوۃ العلماء کے سارے حلقوں میں جاری ہے۔

حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کا فیضان ندوہ کے واسطہ سے ندوہ کے سارے حلقوں میں جاری وساری ہے۔بیرون ملک کے طلباء بھی آپ سے مستفید ہوئے۔

حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی مدظلہ لکھتے ہیں کہ: حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمۃ قرآن کریم کے مانے جانے حافظ اور لائق افتخار مدرسین میں آپ کا شمار ہوتا تھا اور اس تعلق سے ملک وبیرون ملک میں آپ کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ ہندوستان کے علاوہ ایشیا، افریقہ، برطانیہ کے طلبا کی ایک بڑی تعداد نے آپ سے زانوئے تلمذ طے کیا۔

(مستفاد از مضمون مولانا سعید الرحمٰن اعظمی)

حج بیت اللہ

حافظ صاحب علیہ الرحمۃ نے متعدد بار حج وعمرہ کیے پہلا حج ۱۹۵۶ء/۱۳۷۶ھ میں کیا اور پھر تقریباً ۱۲/حج کئے اور ۲۰ یا ۲۲ عمرہ کیے آپ کعبۃ اللہ کی زیارت کے بہت ہی شوقین تھے اور ہمیشہ مخصوص دعائیں پڑھا کرتے تھے۔

بیعت وارشاد

حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمۃ نوعمری ہی میں حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ کے شاگرد رشید اور معتمد خلیفہ حضرت مولانا ضرغام الدین صاحب علیہ الرحمۃ سے بیعت ہوئے ان کی وفات کے بعد خط وکتابت کے ذریعہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور پھر بیعت بھی ہوئے۔ ۱۹۴۹ء/۱۳۶۹ھ میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی علیہ الرحمۃ سے منسلک ہوئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اوراد ووظائف کی پابندی

حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمۃ پہلے ہی سے دینی مزاج کے حامل تھے اب اس میں اور زیادتی آگئی اور اوراد ووظائف متعین ہوگئے، عام حالات میں تسبیح ان کے ہاتھ میں رہتی تھی اب زبان ہر وقت تسبیح وتحلیل میں ڈوب گئی۔

تہجد کی پابندی

۱۸/سال کی عمر سے زندگی کے آخری لمحات تک سفر وحضر میں کبھی آپ کی تہجد قضا نہیں ہوئی۔ان کے داماد حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مدظلہ کے بقول جہاز میں لینڈنگ کے وقت بھی کھڑے ہوکر نماز ادا کرلیا کرتے اور ہم کو نماز ادا کرنے کی تلقین بھی کرتے لیکن کبھی ہم جہاز اترنے کا انتظار کرنے لگتے تو واقعی نماز اپنے وقت سے جاتی رہتی۔

راقم نے خود اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ ۲۰۰۶ء میں جب میں فرقانیہ میں حضرت حافظ صاحب کی درسگاہ میں داخل ہوا ہم نے حافظ صاحب کو ہمیشہ ہر نماز میں صف اول میں تکبیر اولیٰ کے اہتمام کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ ہاں

کسی مصروفیت کی وجہ سے یا دانستہ طور پر خال خال تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی ہو اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن اپنی طرف سے بھرپور کوشش کرتے کہ تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو۔

دارالعلوم دیوبند کی دارالحدیث میں حافظ صاحبؒ کا تذکرہ

۲۰۱۵ء/۱۴۳۶ھ میں راقم الحروف دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کا طالب علم تھا۔ حضرت علامہ قمرالدین صاحب مسلم شریف کا درس دے رہے تھے دوران درس ایک حدیث کی بابت فرمایا کہ ایک مجلس میں حضرت حافظ محمد اقبال صاحب مہتمم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ موجود تھے ہم نے یہ حدیث پڑھ کر بیان کیا تو حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میری پیٹھ تھپتھپائی اور خوشی کا اظہار کیا۔

قرآن کریم سے عشق

حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کو قرآن کریم سے عشق کے درجہ کا لگاؤ تھا جب فرصت کے مواقع ہوتے فوراً قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ بارہا راقم الحروف کی نظر حافظ صاحب پر پڑتی تو مدرسہ فرقانیہ کے گیٹ پر بڑے تخت کے مغربی جنوب کی طرف سہارا لگا کر بیٹھے قرآن کی تلاوت میں مست رہتے اور اس انداز سے مسکراتے رہتے کہ دیکھنے والے کی بے چینی کا ازالہ ہو جاتا۔

عاشق قرآن میاں جی موسیٰ گجراتی سے ملاقات کا شوق

ایک بڑے بزرگ میاں جی موسیٰ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ عاشق قرآن تھے حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے پیرومرشد کے ہمراہ ان سے ملاقات کیلئے گجرات کا سفر کیا اور ملاقات کی۔

قرآن کی خدمت کا شوق

حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمہ کی دلی خواہش تھی کہ وہ آخری دم تک قرآن کی خدمت کے اس مبارک کام میں مشغول رہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی یہ خواہش پوری کی۔ نماز اور قرآن کے ساتھ ان کے دلی لگاؤ اور والہانہ تعلق کو دیکھ کر ان پر ٹوٹ کر رشک آتا تھا۔ اور شاعر اسلام کا یہ شعر ان کے بالکل حسب حال نظر آتا تھا کہ ؎

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لاالہ الا اللہ

حاجت مندوں کا خیال

حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمہ کا یہ نمایاں وصف تھا کہ ضرورتمندوں کا بڑا خیال رکھتے۔ اگر کوئی اپنی ضرورت ظاہر کرتا تو اسے پوری کرنے کی بھرپور کوشش کرتے کتنے ایسے اساتذہ کرام ہیں جن کے مکانات کی تعمیرات میں حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمہ کا بڑا حصہ ہے۔

مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کی اہتمامت

۱۹۷۴ء/۱۳۹۳ھ کو مدرسہ فرقانیہ کیلئے حافظ صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت کی ضرورت محسوس کی گئی۔ حافظ صاحب نے اپنے مرشد و مصلح حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سے مشورے کے بعد اپنی مادر علمی کی آواز پر لبیک کہا۔ اس کے زمام اہتمام کو سنبھالا اور کامیابی کے ساتھ چلایا۔ بہت جلد اس کو معمول پر لے آئے بلکہ اس میں ایک تازگی پیدا کردی۔ ایک روح پھونک دی پہلے سے مزید فعال بنادیا یہ حافظ صاحب علیہ الرحمہ کی جدوجہد، خلوص نیت، حسن انتظام اور کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ مدرسہ فرقانیہ قرآن کی تعلیم کے حوالے سے مشرقی یوپی کا سب سے نیک نام

اورنمایاں ادارہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

مدرسہ فرقانیہ کی ترقی

حضرت حافظ علیہ الرحمہ کے دور میں مدرسہ فرقانیہ کے شعبۂ حفظ کی قدروقیمت میں اضافہ ہوا اوراس کا شہرہ چاروں طرف پھیل گیا۔حسن انتظام میں حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمہ کا دوردور تک کوئی ثانی نہیں تھا۔مدرسہ ہذا کی شہرت سن کراطراف وجوانب سے طلبہ کا ہجوم امڈ پڑااور یہاں سے فارغ التحصیل ہوکرفضلاء فرقانیہ اس قدر پھیل گئے کہ محسوس ہوتا تھافرقانیہ علم وعمل کا سیل رواں بن چکا ہے۔

شعبۂ جات میں خوب اضافہ ہوا

حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمہ کے دوراہتمام میں تربیت کا ایسا نظام عمل میں آیا کہ طلبہ کے ساتھ اساتذہ کرام کی ایسی دانشمندانہ تربیت فرمائی کہ آج تک اس میں اضمحلال پیدانہیں ہوسکا۔

شعبۂ حفظ کے ساتھ شعبۂ عربی کا ایسا نظام بنا کہ یہاں کے طلبہ دارالعلوم دیوبند میں بڑی تیزی کے ساتھ داخل ہونے لگے،اوراس شعبہ میں اپنے وقت کے جیدعلماءکرام کاانتخاب کر کے اس شعبہ کی آبیاری کی۔

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں مدرسہ فرقانیہ کی تعلیم کا چاروں طرف شہرہ ہوگیا،حسنِ انتظام میں بھی حافظ صاحب رحمۃ اللہ کا کوئی ثانی نہیں تھا،عوامی روابط بھی خوب بڑھے۔فرقانیہ کی شہرت سن کر چاروں طرف سے طلبہ کا ہجوم امڈ پڑا،اور یہاں سے فارغ التحصیل ہوکرقرب وجواراور دور دراز کے علاقوں میں فضلاءفرقانیہ پھیل گئے ایسا محسوس ہونے لگا کہ فرقانیہ علم وعمل کا سیل رواں بن چکا ہے۔شہری علاقوں کے ساتھ دیہی مضافات کوبھی سیراب کررہا ہے۔

شعبہ جات تعلیم میں بھی اضافہ ہوا مثلاً شعبۂ عربی وفارسی،شعبۂ حفظ وقرأت،شعبۂ اردو ہندی، شعبۂ افتاء،محکمہ شرعیہ مدرسہ فرقانیہ، شعبۂ اصلاح وتبلیغ،شعبۂ نسواں، کتب خانہ وغیرہ یہ سب حافظ صاحبؒ کے دور کی عکاس ہیں۔

تربیتی نظام

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دورمیں تربیت کے نظام میں بھی خوب ترقی ہوئی۔طلبہ کیا اساتذۂ کرام کی بھی ایسی دانشمندانہ تربیت ہوئی کہ حافظ صاحبؒ کے دور سے اب تک اس میں کسی بھی قسم کا اضمحلال پیدانہیں ہوسکا۔

حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ لکھتے ہیں کہ:سب سے بڑی بات یہ پائی کہ تعلیم کے ساتھ تربیت کا بڑاخیال ہے۔ (مختصر حالات مدرسہ فرقانیہ،ص:۴)

شعبۂ حفظ کی ترقی

جیسا کہ واضح کیا گیاہے کہ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شعبۂ حفظ کے عظیم استاذ تھے اورخادم القرآن کے ساتھ عاشق قرآن بھی تھے لہٰذا حافظ صاحبؒ کے دور میں جہاں تمام شعبہ جات میں ترقی ہوئی ان میں اگرکسی شعبہ کونمایاں ترقی حاصل ہوئی وہ خصوصی طور پر شعبۂ حفظ وقرأت ہے۔اوراللہ تعالیٰ نے حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے ایسی ترقی عطا فرمائی کہ یہاں کے پڑھے ہوئے حفاظ اکناف ہند بلکہ اطراف عالم پرممکنات کی حدتک چھاگئے اور جوبھی یہاں سے حفظ وقرأت سے فارغ التحصیل ہوگیا وہ پوری زندگی اس پرفخر کرتا رہا۔مشرقی یوپی ہی نہیں بلکہ پورے یوپی میں اگر یہ کہا جائے کہ حفظ کی اس شان کی درسگاہیں موجود نہیں تھیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں متعدد صوبوں میں کسی حافظ کوامتیازی حیثیت حاصل کرنے کیلئے صرف یہی جملہ کافی تھا کہ وہ مدرسہ

فرقانیہ گونڈہ سے پڑھا ہوا ہے۔

علاوہ ازیں شعبۂ عربی کو بھی بے پناہ ترقی ملی اور شعبۂ عربی کیلئے حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عہد کے جید الاستعداد علماء کرام کو بلالیا اوران حضرات نے بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ شعبۂ عربی کو ایسی بلندی عطا کی کہ تشنگان علوم نبوت کشاں کشاں مدرسہ کی طرف آنے لگے اور شعبۂ عربی کو خاصی مقبولیت حاصل ہوگئی۔ اوراب تک اس میں کمی نہیں آئی اس لئے تعلیم وتربیت کے لحاظ سے حافظ صاحبؒ کے زمانۂ اہتمام کو سنہرا دور ہی کہا جائے گا۔

تعمیری ترقی اور زمین کی خریداری

قیام مدرسہ سے لیکر ۱۹۷۵ء تک صدر گیٹ سے مغربی جانب کے دو کمرے اور مشرقی جانب اور شمال جنوب حصہ کی طرف اور کچھ کمرے گیٹ کے سامنے شمالی جانب بھی موجود تھے اور ۱۹۷۵ء کے بعد جب حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ منصب اہتمامت پر فائز ہوئے تو تعمیری ترقی میں بہار آگئی اور پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے مدرسہ عالیشان عمارت کی شکل میں مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں پھیل گیا۔

منصرم صاحب کی نگرانی میں تعمیری کام

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور میں منصرم صاحب کو تعمیرات کا نگراں مقرر فرمایا تو منصرم صاحب کی نگرانی میں دفتر محاسبی سے متصل جانب جنوب ہال نما ایک بڑا کمرہ تیار ہوا جو اس وقت مدرسہ کا عالیشان کتب خانہ ہے اوراس کتب خانہ سے متصل جنوبی جانب میں ایک اور کمرہ تیار ہوا اس وقت وہ بھی کتب خانہ کا حصہ ہے۔ اصل کتب خانہ 40x30 فٹ پر مشتمل ہے جبکہ اس سے متصل کمرہ 15x30 فٹ پر مشتمل ہے۔ اوراس کے علاوہ بڑا گیٹ جو باب رحمت کے نام سے

موسوم ہے اوراس کے اوپر ایک 30x30 فٹ پر مشتمل بڑا کمرہ تیار ہوا۔

مولانا محمد ارشد صاحب کی نگرانی

منصرم صاحب کے بعد مولانا محمد ارشد صاحب کو تعمیرات کی ذمہ داری سونپی گئی چنانچہ مولانا کی نگرانی میں صدر گیٹ سے متصل مغربی جانب دو کمروں کے علاوہ تین کمرے بڑے گیٹ (باب رحمت) سے مشرقی جانب اور دو کمرے، باب رحمت سے مغربی جانب اوراسی طرح کتب خانہ کے سامنے جنوبی حصہ کی طرف سے مغربی جانب میں کل نو کمرے تعمیر ہوئے اوران میں سے اکثر کمرے 12x20 فٹ پر مشتمل ہیں اور کچھ ذرا چھوٹے ہیں۔

جامع مسجد کی تعمیر

علاوہ ازیں جامع مسجد کی وسیع عمارت کی تکمیل اوراس مسجد کے صحن سے ملے ہوئے چار کمرے اوران کے سامنے ایک بڑا اور کشادہ ہال اوراس کے نیچے کے چار کمرے اور پانی کی بلند وبالا ٹنکی اوراسی طرح مسجد کے آگے اساتذہ کرام کے لئے پانچ مکانات یہ سب مولانا کی نگرانی میں تعمیر ہوئے۔

واضح رہے کہ بڑا ہال 28x60 فٹ پر مشتمل ہے جبکہ نیچے کے چاروں کمرے 15x28 پر مشتمل ہیں۔ اور مسجد کے صحن سے متصل جو بڑے حوض کے دونوں جانب شمال وجنوب میں پھیلے ہوئے چاروں کمرے ہیں 14x26 فٹ پر مشتمل ہیں۔ ان میں شمال کی جانب اوپر اور نیچے والے کمرے اور جانب جنوب میں اوپر والا کمرہ اس وقت مہمان خانہ میں تبدیل ہو چکا ہے جبکہ نیچے والا کمرہ دفتر اہتمام ہے اوراساتذہ کے مکانات 24x28 فٹ پر مشتمل ہیں۔ اور دفتر محاسبی سے متصل ایک بڑا مکان بھی مولانا کی نگرانی میں تعمیر ہوا۔

حضرت مولانا عبدالتواب صاحب کی نگرانی

بڑے ہال کے مشرقی جانب کو چھوتا ہوا جنوب کی طرف دو بڑے ہال نما کمرے جو فاطمہ ہال سے موسوم ہیں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے زیرنگرانی تعمیر کرائے گئے اوران کمروں کی تکمیل ۳۰؍ جولائی ۱۹۹۵ء/یکم ربیع الاوّل ۱۴۱۶ھ میں ہوئی اورانہیں راقم کے گاؤں سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون فاطمہ بنت ضمیر احمد سیٹھ اوران کے شوہر اصغرعلی ابن قطب الدین صاحب نے تعمیر کرایا اسی لئے ان کا نام پتھر پرکندہ کرا کران کمروں کی دیوار میں چسپاں کرادیئے گئے تھے تا کہ ان کی یادگار باقی رہے۔ جسے شوق ہو وہ جا کر دیکھ سکتا ہے۔

تعمیر کردہ عمارتوں کے سامنے برآمدے

ان عمارتوں میں کمروں کے سامنے جو برآمدے ہیں وہ انہیں کے حصوں میں آتے ہیں جنہوں نے ان کے تعمیرات کی نگرانی کی ہے لہٰذا جو حصہ جن کی نگرانی میں بنا ہے اس حصہ کا برآمدہ بھی انہیں کی نگرانی کا حصہ ہیں۔

حافظ صاحبؒ کے دور میں زمین کی خریداری

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں مدرسہ کے لئے جس قدر زمین دستیاب ہوئی ہیں اورکسی دور میں اتنی زمین نہیں خریدی جاسکیں، جو زمینیں خریدی گئی ہیں ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے، مطبخ جتنے رقبے پرمحیط ہے وہ زمین اور مطبخ سے پانی کی ٹنکی تک اورٹنکی سے اساتذہ کے گھر کی آخری دیوار تک لمبائی میں اورتالاب تک چوڑائی میں بلکہ تالاب کا کچھ حصہ بھی شامل ہے اوراساتذہ کے مکان سے مغربی جانب تالاب سے متصل اورفری ہولڈ کی ہوئی زمین کے علاوہ بقیہ آٹھ بیگھہ زمین تالاب کے حصہ کو لیکر کرشنا ہاسپٹل کے پیچھے تک حاصل کی گئی۔ معلوم ہونا چاہئے کہ مطبخ کے حصے کی پوری

زمین مقبول احمد اوران کے بھائیوں سے اورمطبخ سے لیکر پانی کی ٹنکی تک شاہد صاحب مرحوم سے اورٹنکی کے مغربی جانب تالاب کے کچھ حصوں کی شمولیت کے ساتھ تقریباً پانچ بیگھہ محمد کبیر اورمحمد خلیل سے اوراس کے علاوہ تالاب کی جانب سے کرشنا ہاسپٹل کے پیچھے تک تقریباً آٹھ بیگھہ زمین کسی اور سے خریدی گئی تھی۔

نزول کی زمین اوراس کا فری ہولڈ کرانا

جامع مسجد کے مغربی جانب جو میدان ہے وہ نزول کی زمین تھی اور یہ زمین جانب جنوب شاہراہِ عام سے شمالی جانب تالاب کی طرف چوڑان میں تقریباً ایک سو اڑتیس فٹ اورمشرق ومغرب میں طول کے لحاظ سے تین سوتیس فٹ پر مشتمل تھی۔ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے وکلاء مثلاً چاند وکیل وغیرہ سے مشورہ کرکے اس کو کاغذی اعتبار سے مضبوط کرایا اوراس وقت کے موجودہ ڈی۔ایم (ضلع مجسٹریٹ) سے فری ہولڈ کرالیا۔ اورحافظ اقبال احمد مہتمم مدرسہ کے نام سے اس کی پکی رجسٹری بھی ہوگئی۔ اس کی پوری نوعیت آئندہ ابواب میں ذکر کی جائے گی انشاءاللہ۔

فری ہولڈ کی ہوئی زمین پر تعمیرات

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں اساتذہ کے مکانات سے متصل پہلی عالیشان بلڈنگ کی تعمیر شروع ہوگئی تھی اور نیچے کے چار کمرے بھی تیار ہوگئے تھے، غالباً اس وقت تعمیری کام کی نگرانی حضرت مولانا عبدالتواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اورحضرت مولانا عبدالرب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کررہے تھے۔

دوسرے مقامات پرمدرسہ کی زمینیں

محلّہ جگرگنج گونڈہ میں کوئی چار بسوا پر مشتمل ایک زمین ہے جس پر مدرسہ فرقانیہ نسواں کے نام سے ایک عمارت بھی ہے۔ نیز اندرانگر شہر گونڈہ میں 18x50 مربع

فٹ پر مشتمل ایک مکان موجود ہے۔اوراسی طرح دس بسوا کے قریب محلّہ رادھا کنڈ شہر گونڈہ میں بھی مدرسہ کی ایک زمین موجود ہے۔

گونڈہ کا مشہور چوراہا جونن خاں بائی پاس کے نام سے مشہور ہے وہاں پر بھی ساڑھے تین بیگھہ زمین مدرسہ کے نام وقف ہے۔

پورینہ قانون گو ضلع بلرام پور (سابق ضلع گونڈہ) میں پندرہ بیگھہ کے قریب زمینیں موجود ہیں اوراسی طرح بسکوہر ضلع سدھارتھ نگر میں بھی تقریباً ۱۸ بیگھہ زمین موجود ہے۔

واضح رہے کہ حافظ صاحب علیہ الرحمہ کے اہتمام کی مدت طویل ہے اور مدرسہ کے گزرے ہوئے تمام مہتممین سے زیادہ ہے کیونکہ حضرت مولانا قاری عبدالوہاب صاحب علیہ الرحمہ سترہ سال مہتمم رہے اور حضرت مولانا افضال الحق صاحب جوہر قاسمی علیہ الرحمہ تیرہ سال اس عہدے پر فائز رہے اور حضرت مولانا عبدالحی چشتی رحمۃ اللہ علیہ چھ سال جبکہ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی تین سال یا چارسال مہتمم رہے۔ اور حضرت حافظ محمد اقبال صاحب علیہ الرحمہ نے چونتیس (۳۴) سال تک منصب اہتمامت کو زینت بخشی۔اس لئے اس طویل مدتی سفر میں مدرسہ ہراعتبار سے ترقی کے منازل طے کرتا رہا خواہ تعلیمی وتربیتی ترقی ہو یا تعمیری ترقی۔

حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمہ کو اہتمام کے کاموں میں اس قدر شغف تھا کہ شب وروز کا بیشتر حصہ اسی میں صرف ہوتا تھا۔ جب حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کے بعد مختلف ادوار اور گونہ گو حالات سے ہوتے ہوئے حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمہ کے ہاتھ میں مدرسہ کی باگ ڈور آ گئی تو مدرسہ کو ایک بیدار مغز منتظم مل گیا اور انہوں نے مدرسہ کو انتظام وانصرام اور تعلیم وتربیت کے لحاظ سے مضبوط اور مستحکم بنادیا اس لئے اس دور کو مدرسہ کی ترقی کا عہد آفریں دور کہا جاتا ہے۔

• • •

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

"تذکرہ حافظ محمد اقبالؒ"

ایک دستاویزی سند

حفیظ بن عزیز

"تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبالؒ" مولانا محمد سعد خاں ندوی صاحب کی مرتب کردہ ایک ایسی دستاویزی سند ہے جس میں انہوں نے الحاج حافظ محمد اقبال صاحبؒ کی مختصر مگر جامع سوانح عمری تو قلم بند کی ہی ہے ساتھ میں اُن کے معاصرین ممتاز شخصیات کو بھی یکجا کردیا ہے۔ انہوں نے مشاہیر امت کے حافظ اقبال صاحب کی حیات وخدمات اور رحلت کے تعلق سے تاثرات وتاسفات کو ایک جگہ جمع کرکے بہت اہم کارنامہ انجام دیا، کیونکہ کسی شخص کے بارے میں یہ دو چیزیں بہت اہمیت رکھتی ہیں کہ فلاں شخص کے ہم عصروں میں کون کون لوگ تھے اور اُن کے اُس شخص کے بارے میں کیا تاثرات وخیالات تھے، یہ کام اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا ایک عام قاری سمجھتا ہے، اس کے لئے دنیا بھر کی تگ ودو کرنا پڑتی ہے اور بڑی محنت، لگن، جستجو، صبر اور انتظار کے بعد یہ ساری چیزیں یکجا ہوتی ہیں پھر اُن کو ترتیب دے کر ایک کتاب کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔

اس کتاب میں حافظ اقبال صاحبؒ کے مختصر تعارف اور مولانا محمد سعد خاں ندوی صاحب کے مضمون کے علاوہ تقریباً بارہ لوگوں کے مضامین شامل ہیں اور ہر لکھنے والے نے خوب سے خوب تر لکھا ہے، ہر مضمون میں حافظ محمد اقبال صاحبؒ کی زندگی کا ایک نیا گوشہ اُجاگر ہوتا ہے اور ہر مضمون سے صاحب مضمون اور صاحب قلم کے گہرے ربط اور رسم وراہ سامنے آتے ہیں جس سے حافظ صاحب کی اہمیت کا

اندازہ ہوتا ہے، مضامین میں ربط وتسلسل کا یہ عالم ہے کہ پوری کتاب کسی ایک قلم کی جادوگری لگتی ہے اور یہ سحر انگیزی حافظ محمد اقبال صاحبؒ کی حیات وخدمات اور اتباع سنت کا کارنامہ لگتا ہے۔

کتاب میں موجود ''عرض مرتب'' سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بڑا اور اہم کارنامہ مولانا محمد سعد خاں ندوی صاحب نے اپنے دور طالب علمی میں ہی انجام دے دیا تھا، شاید انہوں نے اس کام کو صرف ایک قلبی لگاؤ کے تحت انجام دیا اور نوعمری میں اس کام کی اہمیت کا صحیح صحیح اندازہ بھی نہ لگایا ہوگا کیونکہ ایسے کام کے لئے بہت پختہ ذہن وقلم درکار رہتا ہے لیکن اللہ پاک جس سے جو کام لینا اور جو سعادت بخشنا چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور یقیناً مولانا محمد سعد خاں ندوی صاحب کے ساتھ اللہ پاک نے یہی معاملہ فرمایا۔ ماشاء اللہ مولانا موصوف اب اس تذکرہ کا دوسرا ایڈیشن طبع اول کی کمیوں کو دور کر کے مزید اضافہ کے ساتھ لانے کی تیاری میں مصروف ہیں اور انشاء اللہ جلد ہی نذر قارئین ہوگا۔

اللہ پاک مولانا کی اس پُرخلوص کاوش کو قبول فرماتے ہوئے اُن کو اپنے انعام واکرام سے نوازیں اور اس کتاب کو امت کے لئے مثالی ونافع بنائیں۔ آمین

حفیظ بن عزیز
سعید آباد، چمن گنج، کانپور
۹؍جون ۲۰۲۴ء

• • •

حضرت حافظ صاحبؒ اور تذکرہ اقبال
ہمارے اہل خانہ کی نظر میں

(اوّل) داداجان۔ الحاج حافظ محمد حسن خاں مدظلہ

(دوم) ماماں جان۔ الحاج حافظ وقاری محمد صادق خاں

(سوم) ماماں جان۔ الحاج مولانا ومفتی عبدالجلیل خاں قاسمی

(چہارم) ماماں جان۔ الحاج مولانا ومفتی محمد عرفان خاں قاسمی

(پنجم) والد صاحب۔ الحاج مولانا محمد انیس خاں قاسمی

(ششم) چچاجان۔ مولانا ومفتی محمد یونس خاں قاسمی

(ہفتم) چچاجان۔ حافظ وقاری محمد شمیم خاں فرقانی

(ہشتم) ماماں جان۔ حافظ ومولانا محمد ذاکر خاں قاسمی

تذکرہ اقبال اچھی کتاب ہے

الحاج حافظ محمد حسن خاں بہرائچ

صدر مسجد بلال گاؤں ظہور پوروہ

وسابق رکن شوریٰ مدرسہ اسلامیہ فاروقیہ بھوانی پور بنکٹ، بہرائچ

کتاب تو پڑھی تھی فرقانیہ کے بڑے حافظ صاحبؒ پر تھی، ابھی کچھ یاد نہیں ہے کتاب کے بارے میں کیونکہ ایک یا دو کتاب گھر پر بچا کے رکھی تھی وہ بھی کوئی مانگ کر لے گیا، جب ضرورت تھی تو اور پہلے چھپنی چاہئے تھی، خیر یہ ہمارے سب سے بڑے پوتے ہیں جنہوں نے ندوہ مدرسہ میں پڑھتے ہوئے کتاب لکھی تھی اب دوبارہ شائع کرنے جارہے ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ ان کے علم و عمل میں برکت اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے نیز حضرت حافظ صاحبؒ کی مغفرت فرمائے، علاقہ کے مسلمانوں پر بڑا احسان ہے۔

حافظ محمد حسن خاں

مقیم حال کانپور

• • •

باسمہ تعالیٰ

ایک عظیم المرتبت شخصیت

الحاج قاری وحافظ محمد صادق خان صاحب

خلیفہ حکیم الامت الحاج حکیم کلیم اللہ صاحب، علی گڑھ

بانی وناظم مدرسہ معراج العلوم چیتا کیمپ، ممبئی

قرآن پاک نے پچھلی قوموں کے حالات واقعات اورانبیاء ورسول کی زندگی کے درخشاں پہلوؤں کو جا بجا ذکر کیا ہے۔اور خود حق تعالیٰ نے سورہ ہود میں انبیاء ورسول کے حالات وواقعات ذکر کرنے کی حکمت بھی بیان کردی ہے وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی یہ اہل ایمان کیلئے سرمۂ بصیرت، سامان عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ بزرگوں کے حالات واقعات، قصص وحکایات یہ اللہ کا شکر ہیں۔

اللہ پاک ان کے ذریعہ بعد والوں کے قلوب کو تقویت دیتا ہے، دین پر انہیں استقامت عطا کرتا ہے اور انسان ان کے ذریعہ اپنی زندگی کا رُخ صحیح کرتا ہے پھر دلیل میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔

حضرت سفیان ابن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ نیک لوگوں کے تذکرے سے اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔اس اہمیت کے پیش نظر شروع سے ہی بزرگوں کے حالات واقعات، قصص وحکایات، سوانح خاکہ نگاری کا سلسلہ روز افزوں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ بزرگوں اور خدا کے نیک بندوں کے جانے کے بعد ان کے حالات وملفوظات اور ان کی مثالی زندگی میں بعد والوں کے لئے ایک سیدھی راہ ہوتی ہے اور ان کے تذکرے سے

بھی انسانوں کو تقریباً ویسا ہی فائدہ حاصل ہوتا ہے جو اُن کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارواح ثلثہ کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں، تجربہ شاہد ہے کہ بزرگان دین کا حکایات وروایات میں بھی ایک خاص نور ہوتا ہے۔ جو سننے والے پر کسی درجہ وہی اثر ڈالتا ہے جوان بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ ماضی قریب کے جن بزرگوں کو میں نے دیکھا ہے خصوصی تعلق واستفادہ کا موقع ملا، اِن میں ایک عظیم المرتبت شخصیت، خادم القرآن، عارف باللہ الحاج حافظ محمد اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی ہے آپ کی شخصیت صالحیت، خداترسی، فکر آخرت، دنیا سے بے رغبتی اور خدمت قرآن کیلئے وقف ہوجانے جیسی عظیم صفات سے مرکب تھی وہ لوگوں کے لئے دل دردمند اورامت کیلئے فکر صحیح رکھنے والے تھے، غیبت، بدگوئی، بدخواہی، تنقید وتنقیص، خود پسندی، حاکمیت وآمریت جیسی بیماریوں سے سخت بیزار تھے۔ان کا باطن ان کے ظاہر کی طرح صاف وشفاف تھا۔ایسی عظیم شخصیت کا پردہ فرما جانا اس دور قحط الرجال میں یقیناً یہ ہم سب کے لئے ایک خسارہ اورنا قابل تلافی نقصان تھا؛لیکن یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ عزیز گرامی مولانا محمد سعد خاں ندوی نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مثالی زندگی کے درخشاں پہلوؤں کو ایک کتابی شکل میں جمع کیا ہے یہ ان کا بڑا احسان اورسعادت مندانہ کام ہے، بعد والوں کے لئے بہترین درس موعظمت ہے اورحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا کسی حد تک بدل بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی اس کاوش وکوشش کو قبول فرمائے۔اورمؤلف کیلئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔آمین فقط

محمد صادق خاں

بانی وناظم، مدرسہ معراج العلوم چیتاکیمپ

سی سیکٹر ٹرامبے ممبئی

• • •

خادم قرآن حافظ وقاری محمد اقبال صاحبؒ

مولانا عبدالجلیل خاں قاسمی

ناظم اوقاف جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم. اما بعد

مشرقی یوپی میں ۲؍ادارے بہت پرانے اوراہمیت کے حامل ہیں: (۱) جامعہ مسعودیہ نورالعلوم بہرائچ (۲) مدرسہ فرقانیہ گونڈہ۔مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے بانی جناب مولانا قاری عبدالوہاب صاحبؒ ہیں جو حضرت علامہ مولانا قاری عین القضاۃ صاحبؒ بانی مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ کے شاگرد رشید ہیں، فراغت کے بعد شہر گونڈہ کے مسجد میواتیان بعدہٗ محلّہ میواتیان میں کچھ زمین خرید کر مدرسہ فرقانیہ کے نام سے ادارہ قائم کیا، پھراس ادارہ نے اتنی تیزی سے ترقی کی کہ ماشاء اللہ آج یہ مشرقی یوپی کے بہت اہم اداروں میں شامل ہے، خاص طور سے حفظ کے فیض وخدمات کوملک وبیرون ملک میں سراہا جاتا ہے، آج الحمدللہ اس ادارہ میں پرائمری، حفظ وتجوید، عربی وفارسی تا سال ششم عربی وغیرہ کی تعلیم جاری وساری ہے، ادارہ میں روز اول ہی سے اولوالعزم واہل اللہ جیسی شخصیات نے اس ادارہ کی باگ ڈور سنبھالی ہے، انہیں اہم شخصیات میں سے خادم قرآن جناب حافظ وقاری محمد اقبال صاحبؒ ہیں جو کہ کرم ڈیہہ ضلع گونڈہ کے رہنے والے تھے، ایک عرصۂ دراز تک باوجود حافظ وقاری ہونے کے اس ادارہ کے ۳۵؍سال تک مہتمم رہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ سے بہت بڑے ادارہ کی خدمت کا کام لیا جو آپ لوگوں کی نگاہوں کے سامنے ہے، آپ اس سے قبل دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے درجۂ حفظ کے مایۂ ناز

استاذ اور حضرت مولانا منظور احمد صاحب نعمانیؒ کے خلیفہ ومجاز تھے، آپ حضرت بانی صاحبؒ کے حقیقی بہنوئی اور شاگرد رشید بھی تھے، شدہ شدہ مدرسہ فرقانیہ میں ایک وقت ایسا آیا کہ وہاں کئی ماہ تک اہتمام کی جگہ خالی تھی، ایسے نازک ترین دور میں لوگوں کی نگاہ آپ پر گئی، تقویٰ وپرہیزگاری، اخلاص وللّٰہیت، خوف خدا، امانت ودیانت کی پاسداری اور حساب وکتاب کی شفافیت، درس وتدریس کی مقبولیت، بارعب، باوقار اور انتظامی امور کی صلاحیت کی بنیاد پر اس عظیم ادارہ کا آپ کو مہتمم منتخب کیا گیا، آپ کے دور اہتمام میں اس ادارہ نے تعمیری، تعلیمی اور دیگر شعبہ جات کے اعتبار سے بڑی ترقی کی، خاص طور سے شعبۂ حفظ نے ایک تاریخی ترقی کی ہے جو روز روشن کی طرح عیاں ہے، آپ کو درجۂ حفظ پڑھانے میں ایسا ملکہ تھا کہ جس پر توجہ ہو جاتی اسکی زندگی سنور جاتی خاص طور سے آپ کے پڑھائے ہوئے طلبہ کا قرآن بہت پختہ ہوتا تھا اگرچہ آپ کی وفات ۲۰۰۸ء کی ہے، مگر آپ کی روشن خدمات، عمل وکردار، ایمانی رعب اور روحانی فیض جو چھوڑ کر گئے ہیں وہ رہتی دنیا تک باقی وجانا جاتا رہے گا۔

قابل مبارک باد ہیں عزیزم حافظ مولوی محمد سعد ندوی بہرائچی زید علمہٗ ان کے والدین، اہل خانہ، اور اعزہ واقارب جن کی تعلیم وتربیت اور دعاؤں کے نتیجہ میں اللہ پاک نے اسکی صلاحیت بخشی، انہوں نے حافظ وقاری محمد اقبال صاحبؒ کی زندگی، احوال، خدمات دین وعملی کردار اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے جو ایک مشعل راہ چھوڑ کر گئے ہیں، اس کو قلم بند کیا اور اکابر علماء کرام کی تحریریں جمع کیں جو کہ بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے قابل عمل ہیں، انہوں نے حضرت حافظ صاحبؒ سے متعلق بہت سے صاحب قلم اور اہم شخصیات کے مضامین اکٹھا کئے ہیں، جن میں حضرت حافظ صاحبؒ کی ابتدائی زندگی، تعلیم وتربیت، درس وتدریس، سلوک

وتصوف، بیعت وارشاد، اکابر علماء کرام سے تعلق، انتظامی امور کی ذمہ داری اور خدمت قرآن کریم پر روشنی ڈالی ہے، یہ حقیقت ہے کہ حضرت حافظ صاحبؒ اکابر علماء کرام کے معتمد اور ان کے نمونہ تھے، آپ کی پوری زندگی، صاف ستھری اور ہر قسم کی دنیوی الجھنوں سے پاک تھی، حالانکہ آپ کا آبائی وطن کرم ڈیہہ تھا، جو بدعت کا گڑھ ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہاں سے نکال کر حضرت قاری عبدالوہاب صاحبؒ کے آغوش میں دیدیا، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے کانٹے میں پھول پیدا کردیا۔

باری تعالیٰ نے آپ کو تقریباً ۹۵/برس کی عمر عطا فرمائی، جس میں ابتدائی عمر ۲۰-۲۲/سال کی تعلیم وتربیت میں گذری، بقیہ پوری زندگی خدمت قرآن کریم میں صرف کی، گویا کہ آپ کی پوری زندگی **"خیرکم من تعلم القرآن وعلمه"** کے مصداق رہی۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ عزیزم مولوی محمد سعد سلمہ کی جمع کردہ سوانح **"تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبال صاحبؒ"** کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور ان کے اندر مزید لکھنے، پڑھنے اور بولنے کی صلاحیت پیدا فرمائے اور ہم سب کو حضرت حافظ صاحبؒ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

• • •

حیات وخدمات پرمشتمل تذکرہ

مولانا محمد عرفان خاں، قاسمی
مبلغ دالعلوم دیوبند

یہ مقام مسرت ہے کہ الحاج حافظ محمد اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کی حیات وخدمات پرمشتمل نمبر بنام (تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبالؒ) کا دوسرا ایڈیشن مزید حذف واضافہ کے ساتھ جناب مولانا محمد سعد خاں ندوی شائع کررہے ہیں۔

دراصل انسان کی سیرت سازی میں اہل صلاح وتقویٰ کے حالات اوران کی سوانح عمری آپ بیتی، مکتوبات سے استفادہ کو بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ ساتھ ساتھ علماء صالحین، اولیاء کرام اورمشائخ عظام کے حالات کو جمع کرنے کا اہتمام ہر دور میں رہاہے اوراس سے درس عبرت اس امت کا معمول رہاہے کیونکہ صالحین کے احوال وسرگذشت کے بیان میں سکون قلب اوردل جمعی کی خاص تاثیر ہے۔ اسی پاک جذبہ کے تحت (تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبال صاحبؒ) شائع کیا جارہاہے۔

حافظ صاحب مرحوم اپنے دور میں قبل صبح صادق سے نیم شب تک قرآن پاک پڑھنے اورپڑھانے میں مصروف رہتے تھے کیونکہ ان کے پیش نظر حضرت

رسول مقبول علیہ السلام کا فرمان **خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ** تھا۔اس کے ساتھ ساتھ اذان ہوتے ہی درسگاہ سے نکل کر خانۂ خدا کو اپنی عبادت سے آباد کرتے تھے۔ حافظ صاحب مرحوم قیام صلوٰۃ میں اصطبار علی الصلوۃ پر عامل تھے۔ اصطبار علی الصلوۃ کا مطلب یہی ہے کہ نماز کی پابندی اس طرح کی جائے کہ کسی حال میں بھی ترک نہ کرے، سفر، حضر، بیماری، تکلیف، مصروفیت، دوڑ دھوپ میں، بس اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حافظ صاحب مرحوم کی خدمات کو قبول فرما کر اولیاء کاملین میں شامل فرمائے۔ آمین اوراللہ مرتب سلمہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ نصیب فرمائے۔ آمین

والسلام

مولانا محمد عرفان خاں

مبلغ دالعلوم دیوبند

۱۳/۱۱/۴۵ھ

• • •

آہ! پیکر اخلاص نہ رہا

مولانا محمد انیس خاں قاسمی
خطیب وامام مسجد رئیس باغ، تلک نگر، کانپور
ومہتمم مدرسہ ضیاء العلوم، قلی بازار، کانپور

الحاج حافظ محمد اقبال صاحبؒ جو مشرقی یوپی کی ایک عظیم المرتبت ، خادم القرآن، داعی الی اللہ، عارف باللہ، ولی کامل تھے۔ آپ کی زندگی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ جو حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ صاحب معارف الحدیث کے مشہور معروف خلفاء میں سے ایک تھے قرب وجوار اضلاع کے سیکڑوں لوگوں کی اصلاح ظاہر وباطن کی اور یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ اپنے اساتذہ کرام کا خاص خیال رکھتے تھے اگر کسی کو کبیدہ دیکھتے تو خاموشی کے ساتھ مخصوص رقم عنایت فرماتے اور بہت سے مساجد کی تعمیر کا ذریعہ تھے۔

احقر کا تعلق حافظ صاحب سے بایں وجہ ہوئی کہ اپنے بنکٹی علاقہ کا مشہور ومعروف وقدیم دینی ادارہ مدرسہ اسلامیہ فاروقیہ بھوانی پور بنکٹ ضلع بہرائچ کے مہتمم اور ہمارے کرم فرما پیکر اخلاص حضرت مولانا حافظ عبدالحفیظ صاحب مدظلہ العالی کے خسر ہونے کی وجہ سے کافی تذکرہ رہتا تھا اور گاہے بگاہے ملاقات کا شرف بھی حاصل

ہوتا تھا اس روحانی لگاؤ کی وجہ سے صاحب مرتب کتاب ہذا عزیزم مولانا محمد سعد خاں ندوی سلمہ کو بچپنے میں تربیت اور حفظ دور کیلئے (حافظ صاحب کے معروف ومشہور ادراہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ جو مشرقی یوپی میں حفظ کیلئے جانا مانا جاتا تھا) بھیجا تھا تقریباً دو سال کے وقفہ میں کافی شفقت وپیار کا معاملہ رہا اللہ پاک حافظ صاحب کی کروٹ کروٹ مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے اور رحمتوں کی بارش نازل فرمائے آمین۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

محمد انیس خاں قاسمی
خطیب وامام مسجد رئیس باغ، تلک نگر، کانپور
ومہتمم مدرسہ ضیاء العلوم، قلی بازار، کانپور

• • •

محبوب العلماء والمشائخ

مولانا محمد یونس خاں قاسمی

مہتمم مدرسہ احیاء العلوم گوراچوکی گونڈہ یوپی

جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ضلع گونڈہ یوپی

باسمہ تعالیٰ

حامداً و مصلیاً ! مجھے یہ معلوم ہوکر بہت خوشی ومسرت ہورہی ہے کہ مولانا محمد سعد خاں ندوی سلمہ اللہ (جو برادر مکرم اور شفیق محترم حضرت مولانا محمد انیس خاں صاحب قاسمی زید مجدہ کے خلف اکبر اور میرے سگے بھتیجے ہیں) کی تالیف کردہ کتاب، تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبالؒ کو عوام وخواص نے یکساں طور پر بے حد پسند کیا اور اس کو اتنی مقبولیت عطا فرمائی کہ یکا یک پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا اب احباب کے اصرار پر عزیزم نے دوسرے ایڈیشن میں قدرے اضافہ کرکے نئی ترتیب، تبویب اور تہذیب کے ساتھ معیاری حسن کتابت وطباعت کا پورا لحاظ کرتے ہوئے شائع کرنے کی پوری تیاری کرلی ہے جو بہت جلد زیور طبع سے آراستہ ہوکر آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبال جو ہندوستان کے مشاہیر اکابر کے تاثرات وآرا، اور اہل قلم کا وقیع مجموعہ ہے جس کی بنا پر اس کی افادیت مزید تر ہوجاتی ہے

راقم الحروف نے پہلے ایڈیشن کا بنظر غائر مطالعہ کرکے اغلاط کی تصحیح بھی کی تھی۔

اب مجھے امید ہے کہ محبوب العلماء والمشائخ حضرت الحاج حافظ محمد اقبال صاحب جیسی عبقری شخصیت پر سلف، اکابر، مشائخ ومقتدر علمائے کرام کی جانب سے لکھے گئے قیمتی مضامین تاثرات اور اخباری تعزیتی کلمات کا یہ قیمتی سرمایہ پہلے سے زیادہ قبولیت کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔ جو سلف کے بعد خلف کی زندگیوں کو بنانے اور سنوارنے میں کافی معاون ومددگار ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دعا ہے کہ عزیزم موصوف کو اللہ تعالیٰ مزید حوصلہ فرمائے۔ اس طرح کی نگارشات اور رشحات قلم کی تالیف کی توفیق دے اور مستقبل کے عزائم کو بروئے کار لانے میں حمایت ونصرت فرمائے آمین۔ فقط

دعا جو ودعا گو

محمد یونس خاں قاسمی

مہتمم مدرسہ احیاء العلوم گوراچوکی گونڈہ یوپی

جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ضلع گونڈہ یوپی

۱۷؍ذیقعدہ ۱۴۴۵ھ

• • •

اس کتاب کو اللہ نافع بنائے

حافظ وقاری محمد شمیم خاں، ممبئی

استاذ مدرسہ بیت الحمد کرلا گارڈن، ممبئی

مجھے معلوم ہوا کہ بھتیجے صاحب نے جو کتاب لکھی تھی اب وہ دوبارہ چھپنے جارہی ہے، میں نے بھی فرقانیہ میں دور کیا ہے، درجہ حفظ حافظ عبدالمنان صاحب اور قرأت جناب قاری ریاض احمد صاحب کے پاس پڑھا ہے، حافظ صاحبؒ کو بہت قریب سے دیکھا جانا اور سیکھنے کا موقع ملا۔ ہماری درسگاہ گیٹ کے بالکل قریب تھی اور حافظ صاحبؒ درجہ کے علاوہ گیٹ ہی پر بیٹھ کر ملاقات اور معائنہ کیا کرتے تھے، اللہ اس کتاب کو قبول فرما کر نافع بنائے۔ آمین

محمد شمیم، ممبئی

• • •

لائق مطالعہ کتاب

مولانا محمد ذاکر خاں قاسمی

امام وخطیب مسجد یتیم خانہ پریڈ

وناظر محکمہ شرعیہ دارالقضاء کانپور

یہ سن کر بڑی خوشی ہورہی ہے کہ عزیزم مولانا محمد سعد خاں ندوی جو ماشاءاللہ لکھنے پڑھنے کا ذوق رکھتے ہیں۔ آپ نے دو کتابیں تالیف کیں (۱) تذکرہ الحاج حافظ اقبال صاحبؒ سابق مہتمم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ (۲) اور دوسری کتاب جو قرآن وحدیث سے منقول دعاؤں پر مشتمل ہے۔ الحمدللہ جو ہر ذوق وشوق رکھنے والوں کیلئے بڑی مفید کتاب ہے۔

اسی طرح تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبالؒ نامی کتاب کا بھی احقر نے کافی حد تک مطالعہ کیا ہے۔ یقیناً یہ کتاب مطالعہ کے لائق ہے کہ آپؒ ادارہ کے منصب اہتمام پر قائم رہتے ہوئے اہل علم کی نظر میں کتنا مفید مقام رکھتے تھے نیز بچوں کے ساتھ آپ کی شفقت ومحبت کا کیا عالم تھا اور آپ بچوں کے گرمی وسردی اور صحت کے ساتھ ساتھ تعلیم وتربیت کیلئے کتنا فکرمند رہتے ہیں۔ اللہ رب العزت اپنی طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے۔

کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہونے جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو لوگوں کیلئے نفع کا ذریعہ بنائے اور مؤلف سلمہ کو اعلیٰ ترقیات سے نوازے آمین۔ فقط

محمد ذاکر خاں قاسمی

امام وخطیب مسجد یتیم خانہ پریڈ

وناظر محکمہ شرعیہ دارالقضاء کانپور

۱۷/۱۱/۱۴۴۵ھ

• • •

(چہارم)

حضرت حافظ صاحبؒ اور تذکرہ اقبال

یاران باصفا کی نظر میں

تبصرہ بر "تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبال"

مولانا مبین احمد اعظمی ندوی

استاذ معہد دار العلوم ندوۃ العلماء سکرورری لکھنؤ

"تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبال" ہمارے ہم درس اور عزیز دوست جناب مولانا محمد سعد خان صاحب ندوی دامت برکاتہم کی میرے علم کے مطابق پہلی تصنیفی کاوش ہے، جو ایک قرآن دوست اور خداترس بزرگ جناب حافظ محمد اقبال صاحب رحمۃ اللہ کے سوانح پر مشتمل ہے، مصنف موصوف ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک اہم علمی اور دینی شخصیت کا تعارف تحریری شکل میں پیش کیا ہے۔ جس کی اہمیت وافادیت سے کسی بھی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ذاتی طور پر ان کا شکریہ اس لئے بھی ادا کرنا ضروری ہے کہ کتاب کی طباعت کے فوراً بعد ہی انہوں نے اس کا ایک نسخہ ہدیتاً عنایت فرمایا (فجزاہ اللہ خیر الجزاء) یہ ایک علمی اور تاریخی سچائی ہے کہ قرن اول سے لے کر دورِ حاضر تک ہر عہد کی اسلامی اور دینی شخصیات کے مطالعہ سے اسلام کی عالمگیریت وآفاقیت، ہر دور میں اس کی نافعیت وافادیت، اور اس کی حمایت وحفاظت کے مختلف طریقوں سے واقفیت ہوتی ہے، اور اسلام کے حق اور سچ ہونے کا یقین واضح طور پر بڑھتا ہے، انسان نظریات سے گذر کر عملیات کی طرف پیش قدمی کرتا ہے، یہ کتاب گویا اسی مقصد کی تکمیل کی طرف ایک مضبوط قدم ہے، جس کے مطالعہ سے قاری کو نہ صرف یہ کہ ایک اہم علمی شخصیت کے خدوخال سے واقفیت ہوگی بلکہ اللہ عزوجل کی آخری کتاب قرآن کریم سے دلبستگی بھی پیدا ہوگی اور اس کو سینے میں بسانے کا جذبہ بھی پیدا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے مصنف کو بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اس کتاب کو مفید سے مفید تر بنائے۔

مولانا مبین احمد اعظمی ندوی

استاذ معہد دار العلوم ندوۃ العلماء سکروری لکھنؤ

۱۴۴۵/۱۱/۱۹ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

مولانا محمد نجم الدین ندوی
(مرکز دارعرفات رائے بریلی)

فارسی کے اس مصرع میں ’’گویم مشکل‘‘ اس لئے کہ ہیچ مداں جب اپنی کم مائیگی پرنظر ڈالتا ہے تو خود کو بالکل تہی دامن وکوتاہ دست پاتا ہے کہ کچھ لکھ پائے، اور فارسی کا یہ مصرع جس خاطر انتخاب کیا گیا ہے، رسوائی وندامت کی علامت نہ بن جائے اور میری یہ تحریر اس کم مایہ کی کم مائیگی کے لئے حوالہ نہ ہوجائے۔ اور ’’وگرنہ گویم مشکل‘‘ یوں کہ سعد بھائی جب کچھ عزم کرلیتے ہیں تو کوئی سنگ گراں رستہ میں حائل ہوکر ان کے عزم وحوصلہ کو کمزور نہیں کرسکتا، اور وہ منزل مقصود کو پالیتے ہیں۔

ریاست اترپردیش کے پوربی حصہ میں گونڈہ کو مدرسہ فرقانیہ کی وجہ سے دینی حلقوں میں بڑی شہرت ہے، یہاں کے فارغین نے ملک کے طول وعرض میں خدمت قرآن کی شمع روشن کی، ان میں الحاج حافظ محمد اقبال گونڈویؒ، حافظ حشمت اللہ گونڈویؒ، حافظ محمد خلیل صاحب گونڈوی قرآن کریم کی خدمت کے حوالہ سے بڑی شخصیتوں کے نام ہیں، پہلی شخصیت کا میدان عمل پہلے گونڈہ پھر لکھنؤ اور بعد میں

اخیر عمر تک گونڈہ ہی رہا۔ الحاج حافظ محمد اقبال صاحب گونڈویؒ قریبی زمانہ کے ایک اچھے اور پرہیزگار انسان، باعمل حافظ، داعی ومربی اور معلم شخصیت گزرے ہیں، ان کی پیدائش غالباً ۱۹۱۹ء کے آس پاس ہوئی تھی، مڈل تک عصری تعلیم پائی، مدرسہ فرقانیہ کے روز اول ہی سے وابستہ ہوئے، بائیس سال ان کا یہی مرکز عمل رہا، اس کے بعد دارالعلوم ندوہ میں ان کی خدمات حاصل کی گئیں، پھر گونڈہ میں ضرورت کے پیش نظر قیام کا فیصلہ کیا اور اخیر تک یہی رہے۔

حافظ صاحب کو مولانا ضرغام الدین تلمیذ شیخ الہندؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (وفات:۱۳۶۲ھ) امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقیؒ (وفات:۱۳۸۱ھ) حکیم العصر مولانا عبدالباری ندویؒ (وفات:۱۳۹۶ھ) مولانا محمد منظور نعمانیؒ بانی الفرقان لکھنؤ (وفات:۱۴۱۷ھ) مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (وفات:۱۴۲۰ھ) مولانا قاضی معین اللہ ندویؒ (وفات:۱۴۲۰ھ) اور نمونہ سلف مولانا محمد احمد پھولپوریؒ (وفات:۱۴۱۲ھ) سے قریبی وگہرا ربط تھا اور ان علمائے ربانی کے یہاں حافظ صاحبؒ کی قدردانی تھی، سلسلہ اشرفیہ کے ایک ولی صفت بزرگ صوفی سید عبدالرب اناویؒ کے بھی بہت قریب اور آپس میں انسیت تھی، صوفی صاحبؒ نے نماز جنازہ کے لئے جن اہل اللہ کے لئے وصیت کی اُن میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے بعد حافظ صاحب تھے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شعبہ حفظ کا الگ کوئی نظام نہیں تھا، تجوید وقرأت میں مہارت رکھنے والے اساتذۂ دارالعلوم کے ذریعہ تعلیم ہوتی تھی، ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کے عہد نظامت میں شعبہ حفظ کے قیام کا فیصلہ ہوا، حافظ صاحب اس نظام کے ذمہ دار مقرر ہوئے، اور ایک عرصہ تک ذمہ داری انجام دینے کے بعد باصرار مدرسہ فرقانیہ لایا گیا، لیکن اخیر عمر تک دارالعلوم ندوہ لکھنؤ کے ذمہ داروں

سے تعلق خاطر رہا، سنہ ۲۰۰۸ء میں جب ان کی وفات ہوئی تو جنازہ کی نماز وقت کے ایک بڑے اللہ والے عالم دین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ نے پڑھائی، اور تکیہ گلاب شاہ، گونڈہ میں مدفون ہوئے۔

زیر نظر کتاب ''تذکرۂ اقبال'' تعزیتی تحریروں اور وفیاتی مضامین کا مجموعہ ہے جسے نہایت سلیقہ سے مرتب کر دیا گیا ہے، ان وفیاتی تحریروں کے تخلیق کاروں میں مشائخ وعلمائے ملت بھی ہیں اور شاگرد بھی، اہل علم ونظر بھی ہیں اور اصحاب قلم بھی، یہ مجموعہ ان کے فیض خاطر اور نگارشیں ہیں، ان میں آمدہ ہے، آورد نہیں، مضامین تکلف سے خالی ہیں، مرتب نے مضامین کے حصول میں بڑی محنت کی ہے، اس میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ، مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی، مولانا نور عالم خلیل امینی اور مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی کی تحریریں خاص طور پر حافظ صاحب کی زندگی وعمل کے اہم پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہیں، پروفیسر سید ضیاء الحسن، ڈاکٹر محمد سلمان خاں اور مولانا محمد ابراہیم قاسمی کی تحریریں بھی لائق مطالعہ ہیں۔

کتاب کی ابتدا مقدمہ سے ہوئی ہے، یہ حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دام ظلہ کے قلم سے ہے، اس کے بعد مولانا نور عالم خلیل امینی (سابق ایڈیٹر الداعی دار العلوم دیوبند) کے پیش لفظ کو جگہ دی گئی ہے، انہوں نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے حافظ صاحب کی نسبت بڑی بات لکھی ہے کہ ''ان کی صالحیت، خداترسی اور دین داری کی قسم کھائی جاسکتی تھی'' (تذکرۂ اقبال، صفحہ:۸) اسی کتاب میں مولانا امینی کی ایک وفیاتی تحریر بھی شامل ہے جس میں ان کی زندگی کے خدوخال اور اوصاف حمیدہ سے جوہر کشید کر رکھ دیا ہے۔ پھر اس مجموعہ کو ترتیب دینے کی غرض لکھنے کے بعد دو صفحوں کا سوانحی خاکہ حضرت حافظ صاحب کا پیش کیا

گیا ہے، سب سے پہلے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ کا مضمون ''حافظ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ'' ہے، انہوں نے لکھا کہ ''ان کو دیکھ کر میرا احساس ان کے بارے میں بہت اچھا تھا اور کسی ادارہ میں ان کے رہنے کو میں صرف مفید نہیں بلکہ دینی فضا کو تقویت پہونچانے کا باعث سمجھتا تھا۔'' (تذکرۂ اقبال:۱۷) مرتب نے ایک عنوان ''مشاہیر امت کی نظر میں'' قائم کر کے حافظ صاحب کے بارے میں ان کے بلند کلمات حسنہ کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، انہوں نے حافظ صاحب کے شیخ ومرشد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''اگر آخرت میں اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کیا لائے تو عرض کروں گا کہ حافظ اقبال صاحب کو لایا ہوں۔'' (محولہ بالا:۸۳) ادب وصحافت کی دنیا کے نامور استاذ صحافی حفیظ نعمانی نے گلہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا ہے: ''حافظ اقبال صاحب ایک مثالی استاذ تھے اور کلام اللہ سے تو ان کو جو تعلق تھا' وہ دینی اور علمی شغف رکھنے والوں میں بھی کم دیکھا ہے۔'' (محولہ بالا:۸۰) قرآن مجید سے انتہائی شغف کا یہ حال تھا کہ اگر وہ سخت بیمار ہوتے اور تیز بخار بھی ہوتا اور آرام کے لئے کہتے تو وہ فرماتے: ''قرآن سننے میں بڑا مزہ آتا ہے اور کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔'' (محولہ بالا:۳۸) مولانا سجاد نعمانی صاحب مدظلہ نے لکھا کہ ''نماز سے اور قرآن مجید سے ان کی روح کو جیسا عاشقانہ اور والہانہ تعلق تھا' وہ اس دور میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہوگا۔'' (محولہ بالا:۴۱) ڈاکٹر محمد سلمان خاں نے اپنے مضمون میں حافظ صاحب کا معمول ان کے متعدد سفروں کے رفیق مولانا ابوبکر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ''کبھی ان کی تہجد کی نماز قضا نہ ہوئی اور نہ ہی کوئی نماز بلا جماعت آپ پڑھتے بلکہ تکبیر اولیٰ کا بھی حد درجہ اہتمام فرماتے اور دورانِ سفر تلاوت کلام اللہ کے معمولات میں کوئی فرق نہ پڑتا۔'' (محولہ بالا:۵۴) حافظ صاحب امام ربانی مجدد

الف ثانی قدس سرہٗ کا یہ ملفوظ اکثر نقل فرماتے کہ ''تمام عبادتیں وسائل نماز ہیں اور نماز مقاصد میں سے ہے۔'' (محولہ بالا:۷۱) دینی کتابیں پڑھنے کا بھی معمول تھا، انہیں اپنے مرشد ومربی روحانی مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں خصوصاً اسلام کیا ہے؟ قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ کلمہ کی حقیقت، نماز کی حقیقت اورمعارف الحدیث اورمکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی پسند تھیں اور بار بار پڑھتے اور ان کتابوں کے مطالعہ کی لوگوں اور بالخصوص علماء واہل علم کو ترغیب دیتے تھے۔ (محولہ بالا:۴۴) آخری صفحہ پر چند نمایاں شاگردوں کی چھوٹی سی فہرست اس غرض سے منسلک کردی گئی ہے کہ قارئین کرام اس سے اندازہ لگاسکیں کہ ان کے تلامذہ کہاں کہاں خدمت قرآن انجام دے رہے ہیں۔

بہر حال ۸۶؍صفحات کے دائرہ میں گھومتی ہوئی یہ کتاب حافظ صاحب پر بہترین خراج عقیدت اور اظہار اعتراف ہے، اس میں بڑوں کی تحریریں بھی ہیں اور ہم عصر وتلامذہ اور قدردانوں کی رشحات قلم سے نکلے ہوئے وفیاتی مضامین بھی، بھائی سعد خاں نے ان نگارشوں، رشحات قلم اور فیض خاطر کو ایک لڑی میں پروکر ایک خوبصورت گل دستہ تیار کردیا ہے، مجھے یقین ہے کہ ان کی اس مخلصانہ کاوش کی پذیرائی ہوگی، کیونکہ اس کتاب میں وہ سامان عبرت اور سرمایہ زندگی موجود ہے جو آج کی نئی نسل کو صالح کردار اور دینی عمل کے لئے برانگیختہ کرے گا اور نئی نسل میں فکرِ اصلاح، جذبہ عمل وکردار پیدا کرے گا۔

اس مجموعہ کے مرتب ہمارے دوست بھائی محمد سعد خان ندوی مقیم کانپور حضرت حافظ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، ان کی دینی وقرآنی تعلیم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں ہوئی، عصری تعلیم کے بعد انہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا رخ کیا جہاں ان کی تعلیم مکمل ہوئی، فراغت کے بعد سے مختلف شکلوں میں کانپور میں

دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، اس وقت مسجد رئیس باغ، کانپور میں امام وخطیب ہیں، پیام انسانیت فورم اور جمعیۃ علمائے ہند (کانپور) سے وابستہ ہوکر قومی وملی اور سماجی خدمات کی وجہ سے کانپور واطراف میں اچھی پہچان رکھتے ہیں، موصوف ایک فکر مند وفعال عالم دین اور مصنف ہیں، دور طالب علمی سے پڑھنے لکھنے میں بھی دلچسپی رکھتے تھے، دو کتابیں اب تک منظر عام پر آچکی ہیں، چند اور طباعت کی روشنی دیکھنے کے لئے تیار ہیں، ان کی مطبوعہ کتابوں میں ''قرآنی ونبوی دعائیں'' اب تک ہزاروں میں چھپ کر لوگوں تک پہنچ چکی ہے، اس قیمتی ذخیرہ سے لوگ اپنی عملی زندگیوں میں فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور دوسری ان کی مرتبہ کتاب ''تذکرۂ اقبال'' ہے، انہوں نے حافظ صاحب کی حیات وخدمات کے متعدد گوشوں اور مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے تذکرہ اقبال مرتب کرکے شائع کیا تھا، اب مزید اضافوں کے ساتھ حافظ صاحب سے وابستہ بکھری پڑی تحریروں کو یکجا کرکے شائع کرنے کا ارادہ کررہے ہیں، حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دام ظلہ، مولانا نور عالم خلیل امینی مرحوم اور مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ جیسے علمائے کرام کی گراں قدر تحریریں کتاب کے استناد اور وقار میں اضافہ کرتی ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ آئندہ نسلوں کے لئے ایک بیش بہا تحفہ اور قیمتی سرمایہ ہے، کیونکہ بزرگوں کی حیات وخدمات آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں، اگر ہم صالح ذوق وطلب رکھتے ہوں۔

• • •

تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبالؒ استاد اور مربی کا کردار

مولانا محمد عبداللہ کانپوری ندوی
امام وخطیب IFFCO مسجد دبئی مقیم حال دبئی
انوسٹمینٹ پارک دبئی، متحدہ عرب امارات

تذکرہ نویسی کی روایت تو بہت قدیم ہے البتہ شکلیں مختلف رہی ہیں۔ اپنے اپنے زمانے کی علمی شخصیات اور علمی امانتوں کو اگر ہم تک پہنچایا نہیں ہوتا تو ہزاروں سال قدیم تاریخ اور ان زمانوں کی عظیم شخصیتوں کے کارنامے ہمیں کیسے وصول ہوتے، قرآن کریم نے بھی متعدد اشخاص کے اعمال وکردار کا تذکرہ کیا ہے جسے آج کی زبان میں سوانحی نقوش کہا جاسکتا ہے۔ اگرچہ قرآن کا مقصد سوانح نگاری نہیں ہے بلکہ عبرت وموعظمت تزکیہ قلوب اور آخرت کی تیاری کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی طرح دور حاضر میں مشرقی یوپی کی ایک عظیم شخصیت، خادم القرآن جناب حافظ محمد اقبال صاحبؒ کی تھی۔ اب حافظ صاحب تو نہیں رہے لیکن ان کی حیات وخدمات کو جاننے کیلئے ''تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبالؒ'' ہمارے سامنے ہے۔ جس کے مرتب ومؤلف میرے عزیز قریب دوست، زمانہ طالب علمی میں ندوہ میں میرے ساتھ رہے۔ جناب محمد سعد خاں ندوی ہیں۔

ایک حساس طبیعت انسان جب کسی اچھے انسان کا تذکرہ پڑھتا ہے تو اس

کے اندر بھی اچھا بننے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی انسانیت جاگ اٹھتی ہے۔ اصلاح وترقی کی چاہت انگڑائی لینے لگتی ہے۔ اور ایک نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ کچھ کرگزرنے کا جذبہ موجزن ہوجاتا ہے، انہیں جذبات واحساسات کو اپنے دل میں سموکر مولانا محمد سعد خاں ندوی نے حضرت حافظ محمد اقبال صاحبؒ کی عظیم شخصیت کے نقوش زندگی کو نئی نسل تک پہنچانے کیلئے جو کوششیں کیں یقیناً وہ قابل لائق تحسین ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب ''تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبال'' مختلف اصحاب علم کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کو قارئین نے اتنا پسند کیا کہ اس کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور اس کی رسم اجراء دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شاندار عباسیہ ہال میں طلبہ کے الوداعی پروگرام میں ناظم ندوۃ العلماء مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مہتمم دارالعلوم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم کے ہاتھوں کیا گیا۔ ان کے علاوہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اکثر اساتذہ کرام پروگرام میں شریک تھے اور خوش قسمتی سے راقم السطور بھی اس میں موجود تھا۔ ان شاء اللہ اب دوسرا ایڈیشن طباعت ہوکر عنقریب قارئین کے ہاتھوں میں ہوگا۔

صاحب تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبالؒ کے شاگردوں کے مضامین بھی کتاب کی قدر وقیمت میں اضافہ کا باعث ہیں اور ایک منظوم خراج عقیدت بھی ہے۔ اور کتاب کے اخیر میں حافظ صاحب مرحوم کے چند نمایاں شاگردوں کی فہرست دی گئی ہے۔ الحمد للہ اس فہرست میں اس وقت کی ملک وملت کی عظیم شخصیات شامل ہیں۔ یہ کتاب خزینہ تربیات ہے جو بتاتی ہے کہ نئی نسلوں کی بقاء کس میں ہے، تہذیب ومعاشرت میں والدین اور اساتذہ کا کیا کردار ہے تعمیر شخصیت کا پلان کیا

ہے آپ کا آپسی تعلق، باہم ملاقات، بات چیت اور رویہ کس طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔اس تبصرہ کے ساتھ ساتھ یہ کہنا چاہوں گا کہ غلطیوں کا باقی رہ جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

مطالعہ کے دوران ذوقؔ کا یہ شعر یاد آتا رہا ۔

غلطی سے مبرا کوئی انسان نہیں ہے
یہ ذوقؔ کا دیوان ہے قرآن نہیں ہے

ان حضرات کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جنہوں نے اس کی طباعت کیلئے کسی بھی طرح خدمت کی، جس طرح ایک پروگرام کو چینل پر پیش کرنے کیلئے الیکٹرانک میڈیا میں پردہ کے پیچھے کئی لوگوں کی کوششیں شامل ہوتی ہیں تب جا کروہ پروگرام نشر ہوتا ہے۔اسی طرح پرنٹ میڈیا کی اشاعت کے پس پردہ کچھ لوگوں کی کوششوں کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔اللہ تعالیٰ کوششوں کو قبول فرمائے۔

محمد عبداللہ کانپوری ندوی
امام وخطیب IFFCO مسجد دبئی مقیم حال دبئی
انوسٹمینٹ پارک دبئی، متحدہ عرب امارات

• • •

خبر وفات کی صدائے بازگشت

(اسلامی جرائد ورسائل کی خبریں)

نوٹ: حضرت حافظ صاحبؒ کے انتقال کی خبریں مختلف اخبارات اور رسائل وجرائد میں شائع ہوئیں چند نقلیں یہاں دی جا رہی ہیں۔

حافظ محمد اقبال صاحبؒ کی رحلت

مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے مہتمم، ہزاروں حفاظ کے معلم کامل، الحاج جناب حافظ محمد اقبال صاحب ۲۶/رجب المرجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۰ جولائی ۲۰۰۸ء بروز بدھ اس دنیا سے عالم بقا کی طرف رحلت فرگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، حافظ صاحب نے ۹۶ برس کی طویل عمر پائی تقریباً ساری زندگی قرآن مجید کی خدمت کرتے ہوئے گذاری آپؒ ندوۃ العلماء کے شعبۂ حفظ کے بانی اساتذہ میں تھے مدرسہ فرقانیہ کو آپؒ ہی کے دور اہتمام میں ہمہ ترقیات حاصل ہوئیں، آپ شروع میں امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی علیہ الرحمہ سے بیعت تھے، بعد میں آپؒ کا تعلق حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب سے قائم ہوا، مولانا ہی کے حافظ صاحب خلیفہ بھی ہوئے، آپؒ کی نماز جنازہ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ نے پڑھائی، آپؒ کی نماز جنازہ میں عوام خواص کی غیر معمولی تعداد نے شرکت کی، انتقال ہی کے دن بعد نماز عشا آپؒ کی تدفین قبرستان گلوشاہ تکیہ میں عمل میں آئی، آپ کی تجہیز وتکفین میں جامعہ کے بہت سے اساتذہ نے شرکت کی، اور جامعہ میں تعزیتی جلسہ وایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمیں۔

(ماہنامہ نور العلوم، ص: ۳۸، اگست ۲۰۰۸ء)

• • •

مشہور علمی، دینی، اصلاحی وروحانی شخصیت کا انتقال

مشہور علمی دینی، اصلاحی، اور روحانی شخصیت حافظ محمد اقبال صاحب کا مؤرخہ ۳۰ جولائی ۲۰۰۸ کو انتقال ہوگیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

رحیل موصوف پوری زندگی قرآن کریم کی خدمت میں مصروف رہے اور قرآن سے ان کا تعلق عشق کے درجہ تک تھا، ۷۰ سال سے زائد قرآن کی خدمت انجام دی اور کئی ہزار حفاظ تیار کئے جو ملک اور بیرون ملک قرآن کی خدمات انجام دے رہے ہیں، وہ ایک نہایت نیک صالح متقی پرہیزگار مخلص اور بےلوث خادم تھے، طمع حرص لالچ نام کی کوئی چیز ان کے یہاں نہ تھی، وہ مشہور عالم دین مولانا منظور نعمانیؒ کے اجل خلیفہ اور مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے معتمد خاص تھے، دارالعلوم ندوۃ العلما میں وہ شعبہ تحفیظ القرآن کے بانی اور پہلے استاذ ہیں، زندگی کے آخیر لمحات تک وہ قرآن شریف پڑھتے اور پڑھاتے رہے حتی کہ وہ انتقال سے ایک دن پہلے بھی سخت علالت کے باوجود صبح وشام دونوں وقت حسب معمول وقت سے پہلے درسگاہ میں آئے۔ مرحوم نے پسماندگان میں اہلیہ اور دو صاحبزادیاں چھوڑی ہیں۔ اللہ پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ تعمیر حیات (پندرہ روزہ) لکھنؤ، ۱۰/اگست ۲۰۰۸ء جلد نمبر ۴۵ شمارہ نمبر ۱۹

• • •

”ندوہ میں شعبۂ حفظ کی بنیاد رکھنے اور ۵۷؍سال تک تدریسی خدمات انجام دینے والے حافظ محمد اقبال انتقال کر گئے

گونڈہ:۳۱جولائی (نمائندہ انقلاب): مدرسہ فرقانیہ ضلع گونڈہ کے مہتمم حافظ محمد اقبال کا ۳۰؍جولائی کو ظہر کی نماز کے وقت مختصر علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ دوران درس ہی ان کی طبیعت خراب ہوئی اور چند گھنٹوں بعد ظہر سے قبل ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر ۷۹؍سال تھی۔ وہ مذکورہ بالا ادارہ میں آخری لمحات تک اہتمام کے فرائض انجام دینے والے اور مولانا منظور احمد نعمانیؒ کے خلیفہ ومجاز بیعت تھے۔ آپ کی نماز جنازہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے پڑھائی۔

حافظ مرحوم کے زہد وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے مِلک کے نام پر ذاتی مکان تک نہیں چھوڑا۔ البتہ ہزاروں کی تعداد میں شاگرد ضرور پیدا کئے جو ملک وبیرون ملک اعلیٰ منصب پر فائز ہو کر دینی وملی اور سماجی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا بشیر احمد گونڈوی نے نمائندہ انقلاب کو فون پر بتایا کہ:

”حافظ صاحب کی نماز جنازہ جمعرات کی شب پونے ۱۰؍ بجے مولانا رابع حسنی ندوی نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں بڑی تعداد میں شاگرد، مدارس کے ذمہ داران اور علماء ومقامی افراد نے شرکت کی“۔

مولانا نے یہ بھی بتایا کہ:

”مرحوم بسا اوقات کہا کرتے تھے کہ جب میری طبیعت خراب ہوتی ہے تو میں قرآن کے درس میں مشغول ہو جاتا ہوں اور اس کی برکت سے اللہ رب العزت مجھے شفا دے دیتا ہے“۔

دریں اثنا چودھری محمد معظم قاسمی اور مولانا محبّ اللہ خان قاسمی نے روانہ کردہ تفصیلات میں لکھا ہے کہ:

”مرحوم کی تدریسی خدمات تقریباً ۵۷؍سالہ طویل عرص پر محیط ہیں۔ حفظ سے فراغت کے بعد نوعمری ہی میں آپ مدرسہ فرقانیہ میں شعبۂ حفظ کے استاذ مقرر ہوئے۔ چند برسوں بعد مولانا علی میاںؒ کے اصرار پر آپ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شعبۂ حفظ کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد فرقانیہ مدرسہ کے بانی قاری عبدالوہابؒ کے انتقال کے چند برسوں بعد خلوص وللّٰہیت والے مہتمم کی تلاش ہوئی۔ شوریٰ کی نگاہ حافظ اقبال پر پڑی اور آپ کے تعلق سے شوریٰ نے مولانا علی میاںؒ سے انہیں بھیجنے کی درخواست کی۔ بالآخر آپ ۲۴؍دسمبر ۱۹۷۴ء کو مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے مہتمم بنائے گئے اور تادم حیات ۳۴؍ برسوں تک اہتمام کے ساتھ درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ مرحوم نہایت متقی، پرہیزگار اور شب زندہ دار تھے۔ مشرقی یوپی میں حفظ کی ترویج واشاعت میں آپ کا وافر حصہ ہے۔ پسماندگان میں ۲؍بیٹیاں ہیں۔ آپ کے انتقال کی خبر کے بعد مدارس دینیہ میں دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔

(روزنامہ انقلاب ممبئی، یکم اگست ۲۰۰۸ء)

• • •

عکس تحریر مکتوبات

(اوّل) حضرت مولانا نور عالم خلیل امینیؒ کا ایک اہم تاثراتی خط جو کہ الفرقان کیلئے لکھا گیا تھا

(دوم) حافظ صاحبؒ کا اپنی بیٹی اور داماد جناب الحاج عبدالقیوم صاحب کیلئے لکھے گئے خطوط

نوٹ: خطوط کے انہیں حصوں کو نقل کیا گیا ہے جو لوگوں کے لیے نفع بخش اور قابل عمل ہے

حضرت مولانا نور عالم خلیل امینیؒ کا

ایک اہم تاثراتی خط

مخدوم زادہ برادر مکرم مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خدا کرے آپ ہر طرح بہ خیر ہوں۔ الفرقان (جس کے شمارے ہمارے ہاں کے محکمۂ ڈاک کی لاپرواہی، بلکہ بدعنوانی کی وجہ سے، دو تین سالوں سے کبھی کبھار ہی مل پاتے ہیں) کے تازہ شمارہ ستمبر ۲۰۰۸ء میں ''نگاہِ اولیں'' کے گوشے کے تحت شائع شدہ، آپ کا گراں قدر مضمون ''آہ! حضرت حافظ محمد اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۔۔۔۔ حضرت والد ماجد کے خلیفۂ مجاز ومعتمد خاص'' پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یقین جانئے میں نے ایک ایک لفظ کو محسوس کر کے اور ٹٹول ٹٹول کے پڑھا۔ آپ نے حافظ صاحبؒ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے یہ میرے ہی دل کی آواز ہو۔ آپ نے واقعتاً جی لگا کے لکھا ہے اور خاکہ نگاری وتصویر کشی کا حق ادا کر دیا ہے۔ آپ کے خاندان سے، یعنی آپ کے عظیم والد داعی الی اللہ فقیہ ومحدث حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سے چوں کہ ان کا دست گیری کا تعلق تھا اس لیے انہیں جاننے، محسوس کرنے اور اُن کے شب وروز کو برتنے کا جو موقع آپ کو ملا، ظاہر ہے کہ شاید و باید ہی کسی کو ملا

ہوگا، اس لیے آپ نے جو بات بھی ان کے حوالے سے لکھی ہے، وہ سند اور وثیقے کا درجہ رکھتی ہے لیکن لکھنے کا انداز، الفاظ کا انتخاب، جملوں کی ساخت اور پورے مضمون کا رنگ وآہنگ یہ بتاتا ہے کہ یہ تحریر قلبی کیفیت، سوز دروں اور حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے غیر معمولی عقیدت، سچی محبت اور مکمل مناسبت ہی کا نتیجہ ہے۔

مذکورہ شمارے میں حافظ صاحبؒ پر کئی ایک مضامین شائع ہوئے ہیں، سبھی قیمتی اور معلومات افزا ہیں۔ جناب سید ضیاء الحسن صاحب سابق استاد اردو فارسی امیر الدولہ اسلامیہ انٹر کالج لکھنؤ کا مضمون تو معلومات کے تعلق سے بہت ہی فائق ہے؛ لیکن آپ کا مضمون ساز دل کی آواز ہے اسی لیے میں نے رسالے کو کھولتے ہی مضمون کو پڑھنا شروع کیا تو پڑھتا ہی چلا گیا اور ختم کر کے ہی دوسرے مضامین کی طرف بڑھا۔

عرصے کے بعد آپ کی نثر ''الفرقان'' کے صفحات میں پڑھی، جس میں لکھنوی نثر کا رنگ، سہل ممتنع کا ڈھنگ، سچائی کی جاذبیت، محبت کی تراوش، عقیدت کی روشنی اور صاحب تذکرہ کی غیر معمولی دین دارانہ اور مثالی صالحانہ زندگی کی ہو بہو مختصر سی کہانی نے جادوئی اثر پیدا کر دیا ہے۔ بے ساختگی، آمد اور واقعہ نگاری نے سونے پہ سہاگے کا کام کیا ہے۔

حافظ صاحبؒ پر میں نے بھی ایک مختصر سا مضمون پہلے عربی میں ''الداعی'' کے رمضان وشوال ۱۴۲۹ھ کے شمارے میں لکھا اور پھر اُس کو اردو قالب میں ڈھال کے بعض اخبارات ورسائل کو انٹرنیٹ سے بھجوا دیا تھا۔ یاد آتا ہے کہ میں نے ''الفرقان'' پر تحریر شدہ ای میل کے پتے پر بھی اس کو روانہ کروا دیا تھا لیکن شاید منتظمین کی نظر بروقت ای میل پر نہ پڑ سکی، ورنہ ضرور وہ بھی اس شمارے میں شائع ہو جانے کا اعزاز حاصل کر لیتا۔ میرا مضمون تمام تر تأثراتی اور دینی طور پر ایک کھو کھلے انسان کی ''بڑ'' سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

آپ کا مضمون معلومات افزا ہونے کے ساتھ ساتھ اثر انگیز بھی ہے، کیوں کہ ''ہم راز'' اور ''شریکِ درد'' کی بات ہی مبنی بر حقیقت اور مؤثر ہوتی ہے۔ میں نے حافظ صاحب کو صرف دیکھا تھا اور آپ نے انہیں دیکھا اور برتا بھی تھا، اس لیے ہم جیسوں کے لیے وہ صرف ''شنیدہ'' تھے جب کہ آپ جیسوں کے لیے وہ ''دیدہ وچیدہ'' کی حیثیت رکھتے تھے۔ دلِ آباد اور دل خراب میں کتنا فرق ہوتا ہے؟ اس کا اندازہ دونوں طرح کے دلوں کی نمائندگی کرنے والے الگ الگ دو انسانوں کی تحریر وتقریر سے بہ خوبی کیا جا سکتا ہے۔ اوّل الذکر کی تحریر وتقریر ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا نمونہ ہوتی ہے۔ جبکہ ثانی الذکر کی تحریر وتقریر بے کیف وبے لذت اور باسی دال یا پھیکی کھچڑی کے ایسی ہوتی ہے۔ کہنے کو تو دال ہی ہوتی ہے اور کھچڑی ہی ہوتی ہے؛ لیکن تازہ دال اور مناسب مقدار کے نمک والی کھچڑی سے اس کو وہ نسبت بھی نہیں ہوتی جو زمین کو آسمان سے ہوتی ہے۔

اخوکم

نور عالم خلیل امینی

بحوالہ ماہنامہ الفرقان دسمبر ۲۰۰۸ء

(الفرقان کی ڈاک)

• • •

عکس تحریر

عکس تحریر

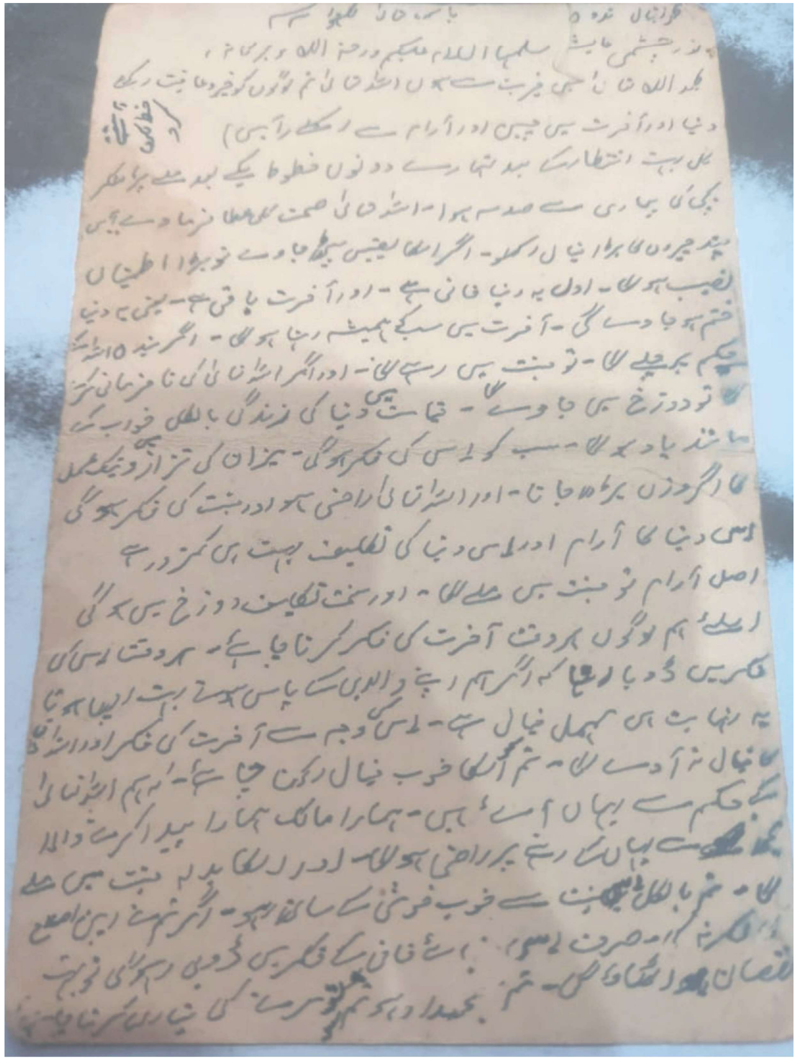

نورچشمی عائشہ سلمہا

محمد اقبال ندوی، لکھنؤ

چند چیزوں کا بڑا خیال رکھو، اگر اس کا یقین بیٹھ جائے تو بڑا اطمینان نصیب ہوگا، اول یہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے یعنی یہ دنیا ختم ہوجائے گی، آخرت میں سب کو ہمیشہ رہنا ہوگا، اگر بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلے گا تو جنت میں رہے گا اور اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا تو دوزخ میں جائے گا، قیامت میں دنیا کی زندگی بالکل خواب کے مانند یاد ہوگی۔ سب کو اس کی فکر ہوگی کہ میزان کے ترازو میں نیک عمل کا اگر وزن بڑھ جاتا، اور اللہ تعالیٰ راضی ہو اور جنت کی فکر ہوگی اس دنیا کا آرام اور اس دنیا کی تکلیف بہت ہی کمزور ہے۔ اصل آرام تو جنت میں ملے گا اور سخت تکالیف دوزخ میں ہوں گی، اس لیے ہم لوگوں کو ہر وقت آخرت کی فکر کرنا چاہئے، ہر وقت اس کی فکر میں ڈوبا رہنا کہ اگر ہم اپنے والدین کے پاس ہوتے بہت اچھا ہوتا یہ نہایت ہی مہمل خیال ہے، اس کی وجہ سے آخرت کی فکر اور اللہ تعالیٰ کا خیال نہ آئے گا، تم کو اس کا خوب خیال رکھنا چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہاں آئے ہیں ہمارا مالک ہمارا پیدا کرنے والا یہاں کے رہنے پر راضی ہوگا اور اس کا بدلہ جنت میں ملے گا۔

• • •

نورچشمی عائشہ سلمہا

بس اس کا ہمیشہ اپنے دل میں خیال رکھو اور عقیدہ بنالو کہ بندہ پر جو کچھ حالات پیش آتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں مومن کی یہی کامیابی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر راضی رہے، برابر اس کا تصور کیا کرو کہ یہ کمزوری میرے مالک کی طرف سے ہے، اللہ ہم راضی ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کا بہترین بدلہ ملے گا، جب کوئی تکلیف محسوس ہو تو اپنے سے زیادہ پریشان حال کو دیکھو، بعض لوگ لنگڑے اور لولے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس طرح کی ساری نعمتوں سے نوازا ہے، مالک کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے صاحب ایمان بنایا اور ایک درجہ سے دین کا تعلق نصیب فرمایا، اللہ والوں کی محبت طلب میں ڈال دیں، کھانے سونے اور طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ اہل اور عزیز واقارب اچھے دیئے اور رہنے کیلئے مکان اچھا دیا۔

• • •

نورچشمی عائشہ سلمہا

اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر راضی رہو وہ جس حال میں رکھے خوش رہو یہ بہت بڑی نعمت ہے، دعا کرو اللہ تعالیٰ ہم سب کو صاحب ایمان بنادے اور ایمان پر خاتمہ کرے، انشاء اللہ تعالیٰ جنت میں سب ساتھ رہیں گے، اللہ تعالیٰ کی رحمت، اللہ تعالیٰ کی رضا، اللہ تعالیٰ کا دیدار، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے کوثر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب کرے پھر تو آرام ہی آرام ہوگا۔

• • •

نورچشمی عائشہ سلمہا

صبح وشام ایک دولڑکیوں کوقرآن مجید یااردو میں دینیات کا سبق یاد کرایا کرو۔

ایک دوسرے خط میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ:

ہمیشہ اعمال صالحہ کے ادا کرنے کی فکر رہے اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کی فکر رہے، موت کی تیاری میں مصروف رہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ایک صحابی سے فرمایا کہ مجھ سے وہ قریب ہے جس کے اندر آخرت کی فکر ہو اور اعمال صالحہ زیادہ کرتا ہو۔

• • •

نورچشمی عائشہ سلمہا

تمہارے تہجد کی پابندی سے خوشی ہوئی، صبح وشام کی تسبیحات پوری ہو جایا کریں، بغیر ذکر کے تہجد باقی نہیں رہتا، آج کل تہجد کا وقت ساڑھے تین بجے تک ہے، تین بجے اٹھا کرو، ساڑھے تین تک نماز پوری کرلو، پندرہ بیس منٹ قرآن مجید کی تلاوت کرو پھر فجر کی نماز پڑھو اور اگر جی چاہے تو تھوڑی دیر آرام کرلو، بلا ضرورت لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا نہ ہو، غیبت سننے اور کرنے سے بچو۔

• • •

باسمہ تعالیٰ

عزیزم عبدالقیوم سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد اقبال ندوۃ

پانچوں وقت نماز باجماعت صبح وشام کی تسبیح اور قرآن مجید کی تلاوت ان چیزوں کی پوری پابندی ہوجایا کرے، انشاء اللہ تعالیٰ اس سے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی۔ اس سے شریعت کی پابندی اور گناہوں سے نفرت انشاء اللہ ہوگی، مجلس آرائی سے بہت بچنا، اس راہ میں بالکل زہر ہے، لیکن دین صحیح رہے۔

• • •

عزیزم عبدالقیوم سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد اقبال ندوۃ

نوشہرہ میں میمونہ کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کیونکہ وہ اطمینان سے ملیں، دوسرے نماز عصر کے وقت پہنچ گئی تھیں، فوراً وضو کرکے نماز عصر ادا کی، ہم لوگوں کو نماز فکر کے ساتھ ادا کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر پابندی اور خوشی کے ساتھ ادا کرے ہر وقت آخرت کا خیال رکھے، اس کیلئے وہ بے چین رہے۔

• • •

حضرت حافظ صاحبؒ مشاہیر امت کی نظر میں

(۱) اگر آخرت میں اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کیا لائے ہو تو عرض کروں گا کہ حافظ اقبال صاحب کو لایا ہوں۔

(حضرت مولانا منظور نعمانیؒ)

(۲) ندوۃ العلماء میں شعبہ حفظ کے قیام وترقی حافظ صاحبؒ ہی کی مرہون منت ہے۔

(حضرت مولانا علی میاں ندویؒ)

(۳) وہ ایک ممتاز حافظ قرآن ہی نہیں اس کے معلم بھی تھے۔

(حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ)

(۴) حافظ صاحبؒ کو جس سادگی اور بے نفسی میں دیکھتا آیا تھا اس کے ساتھ اس شاندار سے جوڑ لگتا تو کیسے لگتا؟ حافظ صاحبؒ صرف ایک ایسے شاندار مدرسہ کے سربراہ ہی نہ تھے، اپنے علاقے کے شیخ بھی تھے۔

(حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلیؒ)

(۵) انہیں حافظ صاحبؒ کے ذریعے سے ہم سب کو ہمارے سارے علاقے کو صحیح دین نصیب ہوا انہی کے ذریعہ مرکز اصلاح وتبلیغ لکھنؤ سے تعلق ہوا اور حضرت مولانا نعمانیؒ اور علی میاںؒ جیسے بزرگوں سے تعلق وصحبت آپ ہی کے طفیل نصیب ہوا۔

(صوفی رحمت اللہ صاحبؒ بانی مدرسہ مظہر العلوم نوگئیاں، بہرائچ)

(۶) خوش قسمتی سے حفظ کلام اللہ میں نے بھی حافظ صاحب سے ہی کیا ہے، صرف پونے دو پارے اپنے والد ماجد بانی مدرسہ فرقانیہ گونڈہ سے کیا، آج ان ہی دونوں بزرگوں کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قابل بنا دیا، ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل۔ نسیم صبح تیری مہربانی

مولانا عبدالرب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ، سابق مہتمم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ

(۷) میں اللہ کو گواہ بنا کے یہ بات کہتا ہوں کہ حافظ محمد اقبالؒ سے جب جب ملا، ایک عجیب سی ایمانی لذت اور روحانی کیفیت محسوس ہوئی جس کو میں صحیح طور پر اپنے الفاظ میں ادا نہیں کر سکتا۔

(حضرت مولانا نور عالم خلیل امینیؒ)

(۸) حافظ اقبالؒ صاحب ایک مثالی استاذ تھے اور کلام اللہ سے تو ان کو جو تعلق تھا وہ دینی اور علمی شغف رکھنے والوں میں بھی کم دیکھا ہے۔

(حفیظ نعمانیؒ)

(۹) میں نے انہیں ہمیشہ تہجد گزار اور عابد شب پایا۔

(پروفیسر سید ضیاء الحسنؒ)

(۱۰) ایک مرتبہ حافظ صاحب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے ملاقات کرنے تکیہ گئے، چاشت کے وقت رخصت ہونے کی اجازت چاہی، حضرتؒ نے فرمایا شام کو چلے جایئے گا۔ تعلیم کا وقت گزر چکا ہے، عرض کیا دو پہر میں بچوں کو سلانا بھی ہے۔

(حضرت مولانا محمد عظیم خاں ندویؒ)

(۱۱) آپ سے دار العلوم ندوۃ العلماء میں استفادہ کرنے والوں کی بڑی تعداد موجود ہے جس میں ایک جماعت وہ بھی ہے جس نے علم وفضل میں بھی بڑی ترقی کی اور نام پیدا کیا۔

(حضرت مولانا محمود حسن حسنی ندویؒ)

(۱۲) حافظ صاحبؒ صلاح وتقویٰ، ذمہ داری کا احساس اور اسکو سنجیدگی وامانت داری سے انجام دینے کے معاملے میں اپنی مثال آپ تھے۔

(حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی)

(۱۳) چلتے پھرتے انسانوں میں حافظ صاحبؒ فرشتہ تھے۔

(احمد الباری ابن مولانا عبد الباری ندویؒ)

(۱۴) حضرت حافظ صاحبؒ نے پوری زندگی جیسے عدیم المثال ذوق وشوق اور جس مستقل مزاجی اور یکسوئی وانہماک کے ساتھ قرآن کی صحبت اور خدمت کی گزاری ہے وہ ان کی ایک پہچان بن گئی ہے۔

(مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی)

(۱۵) موصوف انتہائی زاہد فی الدنیا، صاحب ورع وتقویٰ اذکار واشغال اور نوافل کے پابند بزرگ تھے، اور اللہ کے ان خوش نصیب بندوں میں تھے جنہیں دیکھ کر خدا کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

(مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری)

(۱۶) حافظ صاحبؒ کا اصل امتیاز قرآن مجید سے ان کا تعلق تھا اور بڑی صفت للٰہیت، جہد مسلسل اور جفاکشی تھی، ان کے بعد ندوہ کا درجہ حفظ انہیں کے شاگردوں نے سنبھالا اور اللہ کا فضل ہے کہ آج بھی حفظ کا نظام اسی منہج پر چل رہا ہے اور قرآن مجید کا فیض جاری ہے۔

(سید بلال عبد الحی حسنی ندوی مدظلہ)

(۱۷) تحفیظ القرآن الکریم اور تجوید کے حوالہ سے اس کی خدمات بے حد تابناک ہیں۔ بانی مرحوم کے بعد مدرسہ فرقانیہ کی ترقی محترم جناب حافظ محمد اقبال صاحب زید مجدہم کی جدوجہد کی رہین منت ہے۔

شوکت علی قاسمی بستوی
استاذ دارالعلوم دیوبند
وناظم عمومی کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ

حافظ صاحبؒ کے چند نمایاں شاگرد

(۱)	حافظ مولانا عبد الباری صاحبؒ	بانی مدرسہ فلاح المسلمین رائے بریلی
(۲)	مولانا عبید اللہ اندوریؒ	سابق مہتمم مدرسۃ الفلاح اندور
(۳)	مولانا سعید مرتضی صاحب بستویؒ	سابق استاذ ریاض یونیورسٹی
(۴)	حافظ عبد المنان صاحبؒ	سابق استاذ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
(۵)	حافظ جمیل صاحبؒ	سابق استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء
(۶)	حافظ عبد التوابؒ	سابق استاذ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
(۷)	حافظ خان زماں صاحبؒ	سابق منصرم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
(۸)	حافظ حشمت اللہ صاحبؒ	سابق استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
(۹)	حافظ مولانا سید سلمان الحسینی ندوی	استاذ حدیث وتفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
(۱۰)	حافظ مولانا عبید اللہ الأسعدی	استاذ حدیث جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ
(۱۱)	حافظ عبد التواب بستوی	سابق استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
(۱۲)	حافظ مولانا قمر الحسن	شعبہ مخطوطات ہمدرد یونیورسٹی دہلی
(۱۳)	حافظ محمد اقبالؒ	استاذ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
(۱۴)	حافظ محمد امین ہردوئی	استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
(۱۵)	حافظ مولانا سید ضیاء الحسن صاحبؒ	سابق استاذ امیر الدولہ اسلامیہ کالج لکھنؤ
(۱۶)	حافظ مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی	ایڈیٹر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ
(۱۷)	حافظ مولانا عبد الرب صاحب قاسمیؒ	مہتمم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
(۱۸)	حافظ ابراہیم پٹیل	افریقہ
(۱۹)	حافظ محمد بشیر	افریقہ
(۲۰)	شیخ سراج الدین ندویؒ	(ممباسا) کینیا

(۲۱)	حافظ عبدالعزیز ندوی	دبئی
(۲۲)	حافظ عبداللہ	مکہ
(۲۳)	حافظ محمد عرفان	کینیا
(۲۴)	حافظ مولانا عبدالحفیظ صاحب	نگراں شعبہ حفظ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
(۲۵)	حافظ خلیل احمد گونڈوی	ناظم مدرسہ مدینۃ العلوم گونڈہ
(۲۶)	حافظ فضل الرحمٰن صاحب	نائب نگراں شعبہ حفظ دارالعلوم ندوۃ العلماء
(۲۷)	حافظ عبدالرحیم گونڈوی	استاذ مدرسہ فلاح المسلمین رائے بریلی
(۲۸)	حافظ ڈاکٹر ہدایت اللہ	(ماہر معالج) خلیل آباد بستی
(۲۹)	حافظ عبدالرشید گونڈوی	استاذ مدرسہ عثمانیہ انٹیا تھوک گونڈہ
(۳۰)	حافظ مولانا عبدالمؤمن	مہتمم مدرسہ مدینۃ العلوم، سنبھل
(۳۱)	حافظ مولانا محمد وسیم صاحب	مدرس مدرسہ مدینۃ العلوم، سنبھل
(۳۲)	حافظ مولانا معزالدین گونڈویؒ	سابق ناظم امارات شرعیہ ہند
(۳۳)	مولانا محمد عارف بسمل صاحب	سابق استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
(۳۴)	صوفی رحمت اللہ صاحب	بانی مدرسہ مظہر العلوم، بہرائچ
(۳۵)	حافظ محمد ظفر علی آفریدی	سابق استاذ اسلامیہ کالج لکھنؤ
(۳۶)	مولانا انیس احمد ندوی	استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
(۳۷)	مولانا عبید الباری صاحب ندوی	ابن حضرت مولانا عبدالباری
(۳۸)	مولانا احمد الباری صاحب ندوی	ابن حضرت مولانا عبدالباری
(۳۹)	مولانا ڈاکٹر عبدالمعبود صاحب	مشہور معالج گونڈہ
(۴۰)	حافظ مولانا محمد فضیل صاحب قاسمی	استاذ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
(۴۱)	حافظ مولانا عبدالرشید بلیاوی	استاذ حدیث وفقہ مدرسہ کاشف العلوم، دہلی